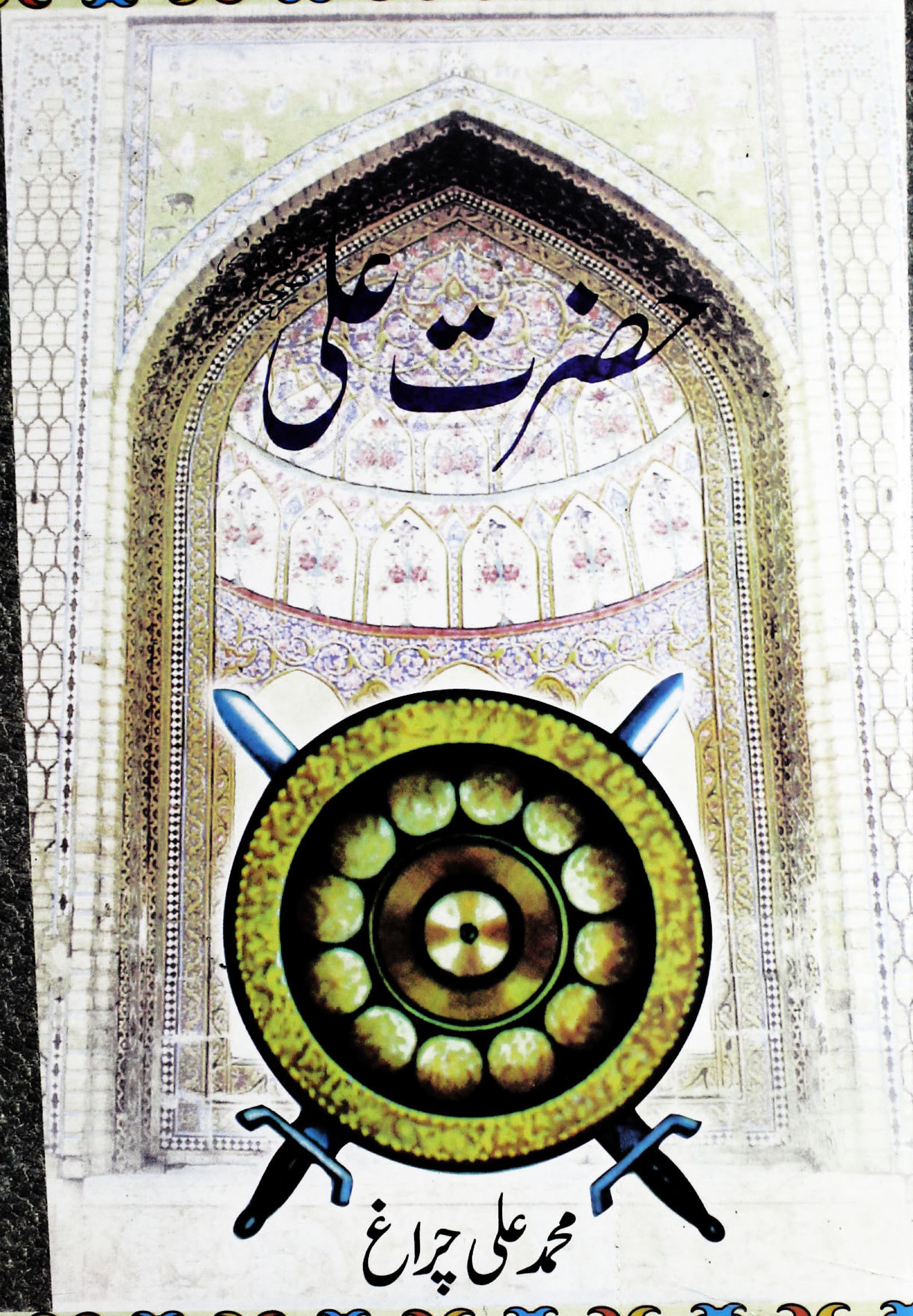
حضرت علی
محمد علی چراغ

Marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ

محمد علی چراغ

نذیر سنز پبلشرز
۴۰-اے اردو بازار ۰ لاہور

Marfat.com

297.9922
22 90 ع
158918

2000

نذیر حسین نے
زاہد بشیر پرنٹرز سے چھپوا کر
نذیر سنز پبلشرز - لاہور سے شائع کی۔

قیمت : 70 روپے

Marfat.com

فہرست

باب ۔ ۱ حضرت علیؓ ایک تعارف —— ۸

علماء کے استاد
دل کی رہبری
خلیفہ کی حیثیت
عبقریت علیؓ
موسیٰؑ اور ہارونؑ کی حیثیت
ابو تراب
فاتح خیبر
ہجرت نبویؐ میں کردار
رسول اللہ کے عزیز
جذبہ تبلیغ دین
فتح و نصرت کی علامت
لافتی الاعلی
قلعہ شکن
مشیر مملکت
بطور خلیفہ چہارم
امیر معاویہؓ کا معاملہ
سبائی سازشیں
حضرت عائشہؓ سے حسن سلوک
امیر معاویہؓ سے جنگ
خوارج کا گروہ
خوارج کی متعصبانہ سرگرمیاں
قتل کا منصوبہ
علم کا دروازہ
اجتہادی بصیرت
دشمنوں میں بھی محترم
فقرو قناعت
حلیم طبع اور سادہ
دوسروں کی پرواہ
فیاضی کا ایک واقعہ
دولت کی تقسیم
انتظامی امور پر نظر
عسکری انتظامات
امتیازی فضائل

باب ۔ ۲ حضرت علیؓ بن ابی طالب —— ۲۷

نام و نسب
کاشانہ نبویؐ میں
قبول اسلام
ابوطالب کا مقام
ایک تاریخ ساز خطاب
تربیت علیؓ کاشانہ نبویؐ میں

Marfat.com

جناب ابوطالب کا کردار
ایک تاریخی مکالمہ
رسولؐ کا ساتھی
اول المومنین
ابوطالب سے سوال جواب
شعب ابی طالب

باب۔ ۳ ہجرت نبوی اور حضرت علیؓ ---۳۸

شب ہجرت
مرتضوی ایمان
مدینہ کی طرف روانگی
ایک دلچسپ واقعہ
علیؓ کی مواخات
اخوت دنیا و آخرت
جس کا میں مولا اس کا علی مولا

باب۔ ۴ حضرت علیؓ اور سنت رسول اللہؐ ---۴۴

تعمیر مسجد میں حصہ
اعلائے کلمہ حق
ابوذر غفاریؓ کا واقعہ
مسجد قبا کا واقعہ
خواستگاری فاطمۃ الزہراؑ
حضرت فاطمہؓ کا عندیہ
مصارف شادی
سیدہ فاطمہؓ سے نکاح
سنت رسولؐ
عبداللہ بن ابی سے مکالمہ
منافقین کے بارے میں

باب۔ ۵ اللہ کا شیر حیدر کرار ---۵۳

ایک تناظر
مشکلات کے درمیان
قوت اور بہادری کا آغاز
درشب ہجرت
غزوہ خندق
حضرت علیؓ کے مقابلے
غزوہ بنی قریظہ میں کردار
حضرت علیؓ کا ایک چھاپا

Marfat.com

ابتدائی حفاظتی اقدامات
جہاد کا حکم
حفاظتی سرگرمیاں
لوائے نبوی کا اعزاز
غزوہ بدر میں کردار
علیؓ عقاب بردار
معرکہ حق و باطل
قریش کے مقابل قریش
غزوہ بنی سلیم میں علم بردار
غزوہ احد میں حضرت علیؓ کے کارنامے
کفار کے علم برداروں کا حشر
آپؐ کے ثابت قدم ساتھی
کفار کی واپسی
غزوہ حمراء الاسد میں علم برداری
غزوہ بنی نضیر میں علم برداری
راقم معاہدہ حدیبیہ
فاتح خیبر
حضرت علیؓ علم ملتا ہے
چمکی حیدر کی تلوار
خیبر شکن
فتح مکہ
خفیہ خط کو پکڑنا
اسلامی لشکر کا مظاہرہ
مکہ سے واپسی پر علم برداری
ثابت قدم ساتھی
فلس پر فوج کشی
غزوہ تبوک
حضرت علیؓ کی شرکت
علی کا مقام و مرتبہ

باب-٦ سفارت سے خلافت تک --٨٦

حضرت علیؓ بجانب یمن
دعوت اسلام کا فریضہ
فیصلہ کرنے کا معیار
واقعہ افق میں حضرت علیؓ کا کردار
خطبہ غدیر خم
احادیث قرطاس و قلم
وصال النبیؐ
حضرت علیؓ کی بیعت
خلیفہ اول کے ساتھ خدمات
عملی تعاون اور مشاورت
غلط فہمیاں
حزب مخالف
اقربا پروری پر تاثر
ابوذر غفاریؓ کا کردار
ابن سبا کی کارروائیاں
خلافت علیؓ کے دعویدار
افتراق و ابتری
یہودی سازش

Marfat.com

حفاظت مدینہ میں کردار
روم کی جانب فوج کشی
خلیفہ دوم کے ساتھ خدمات
جنگ نہاوند میں مشاورت
قائم مقام خلیفہ
بطور نجران کا حاکم
عہد عثمانی میں خدمات
حضرت علیؓ کی خاموشی
محاصرہ عثمانی اور حضرت علیؓ
حضرت عثمان غنیؓ کیا چاہتے ہیں؟
حضرت عثمان غنیؓ بنام حضرت علیؓ
نوعیت خون عثمان غنیؓ
حضرت عثمان غنیؓ سے مکالمہ

باب۔۷ حضرت علیؓ کا عہد خلافت ——۱۱۱

حضرت علیؓ کا خطاب
غیر واضح حالات
قصاص اور قاتلین حضرت عثمانؓ
امیر معاویہؓ کے نام خط
امت روایات میں کھو گئی
جنگ جمل
ناقہ عائشہؓ کی حفاظت
اہل بصرہ سے خطاب
حضرت عائشہؓ کی واپسی
معاویہؓ سے خط وکتابت
جنگ صفین
عمرو سے مقابلہ
قرآن پر مصالحت
وثیقہ تحکیم
فتنہ خوارج
خوارج کے ساتھ خط وکتابت
خوارج سے جنگ
دیگر کارروائیاں
حضرت علیؓ کی شہادت

باب۔۸ حضرت علیؓ کے فضائل ——۱۳۴

محاسن و محامد
سخاوت کا ایک واقعہ
زہد کی زینت
بہادروں میں سب سے بہادر
خبیث خبیث کو کھاتا ہے
مراعات سب کے لیے
قناعت
زکوٰۃ کے بارے میں

Marfat.com

جزیہ خراج
تجمیع قرآن مجید
ہر شخص کی بستی
علم حدیث

باب۔۹ حضرت علیؓ۔ باب العلم —— ۱۴۴

علم نافع
علم کی خاصیت
عالم عادل ہوتا ہے
علم کی قسمیں
علم خیر ہے
کلام پہچان ہے
عالم کا ورثہ
عقل سلیم
علم اور عمل
طلب علم

باب۔۱۰ حضرت علیؓ، امیر سخن —— ۱۴۹

مالک اشتر کے نام ایک مکتوب
عہد کی پاسداری
خدا حاکم ہے
اللہ کی سلطنت
خدا کے بندوں کی رضا
ملکی اصلاح
مشاورت کی ضرورت
حکومت امانت ہے
حق گوئی و بے باکی
دوست اور دوستی
اچھے دستور
عورت کے لیے
افسر کی خوبیاں
خدا کا حساب
رعایا کی امیدیں
دو روٹیاں کافی ہیں
ملک کی بربادی
نمود و نمائش
عوام سے مجلس
ذاتی ملکیت
روز کا کام روز
امیر سخن

Marfat.com

باب-۱

حضرت علیؓ ایک تعارف

حضرت علیؓ بن ابی طالب- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کے حوالے سے بھی بہت محترم اور قابل قدر تھے- حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے فضائل و اوصاف بے شمار ہیں- وہ بیک وقت ایک سپاہی' ایک عالم اور ایک صوفی بھی ہیں- اس پس منظر میں وہ تصوف کی دنیا میں جس مقام پر فائز ہیں اس پر تمام اہل تصوف نازاں ہیں-

علماء کے استاد- حضرت علی المرتضیٰؓ شاہ عرفان' اکمل کاملان' بحر حقائق' تعلقات دنیوی سے مجرد' عابدوں کے سرمایہ افتخار' زاہدوں کے لیے باعث سند' علما کے استاد' اولیا کے پیر اور اصفیاء کے امام ہیں- صوفی کو چاہیے کہ امیر کبیر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ کی طرح خالصتہ" اللہ کے لیے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی غرض سے جہاد کرے' اور ہوائے نفس اور شیاطین کے لشکر کو ہزیمت دے-

فرمایا جاتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ' جبرئیل اور صالح مومن ان کے مدد گار ہیں"- حضرت علیؓ کرم اللہ وجہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں' اپنے باپوں' اپنی اولادوں اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے-

دل کی رہبری- اسی طرح تصوف کے حوالے سے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ عارفوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا و عقبیٰ میں یکساں ہے- اور "میں تو خدا کی پرستش نہیں کرتا ہوں جب تک اسے دیکھتا نہیں"-اور اسی طرح "اگر اس جہاں کا پردہ اٹھ بھی جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو گا"- یہی وجہ ہے کہ بقول مولانا رومی' وہ اللہ کے برگزیدہ ہیں' اللہ تعالیٰ نے انھیں مراتب بخشے ہیں اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پسندیدہ اور منظور نظر ہیں- وہ لوگوں کے محافظ و معاون ہیں-

Marfat.com

حضرت شیر خدا علیؓ کرم اللہ وجہہ نے میدان جنگ میں ایک پہلوان کو چت گرا دیا۔ اس حالت میں اس ملعون نے حضرت علیؓ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ تھوک پھینکنا تھا کہ حضرت امیرؓ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ کافر پہلوان اس واقعہ سے حضرت علیؓ کے بے موقع رحم و کرم کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا' اور واقعہ کی تحقیق کرنی چاہی۔ چنانچہ اس نے دریافت کیا کہ تھوک پھینکنے کے بے ہودہ فعل پر جو آپ نے تحمل کیا اس کا سبب کیا۔ حضرت علیؓ نے ظاہری تغافل' مگر باطنی توجہ سے اس نابکار کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ پھر سرچشمہ دین اور اہل یقین کے رہبر حضرت امیرؓ کرم اللہ وجہہ کے قرب نے اس ہستی موہوم کے دل کی رہبری کی۔

خلیفہ کی حیثیت۔ حضرت علیؓ سند خلافت پر متمکن تھے کہ مدینہ کے ایک یہودی نے قاضی کی عدالت میں حضرت علیؓ کے خلاف دعویٰ کر دیا۔ دعویٰ اس امر کا کیا گیا تھا کہ حضرت علیؓ کے پاس جو زرہ بکتر ہے وہ ان کی نہیں بلکہ یہودی کی ہے۔ اس دعویٰ پر مدینہ کے قاضی نے حضرت علیؓ خلیفتہ المسلمین کو عدالت میں حاضر ہونے کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ مقررہ تاریخ اور وقت پر چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے۔ قاضی کی عدالت میں مدعی یہودی نے اپنے موقف کی تائید میں کئی شہادتیں پیش کیں۔ اس کے بعد فاضل قاضی نے حضرت علیؓ خلیفتہ المسلمین کو اپنا موقف بیان کرنے کا موقع دیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس پر نفی میں جواب دیا اور خاموشی اختیار کی۔ اس پر قاضی نے شہادتوں کی بنا پر یہودی کے حق میں اور خلیفتہ المومنین کے خلاف اپنا فیصلہ دے دیا۔ اور مدعی یہودی کو وہ زرہ بکتر بھی دلوا دی کہ جو درحقیقت حضرت علیؓ نے اس یہودی سے قیمت ادا کر کے خریدی تھی۔ مدینہ کے قاضی کے اس بے ریا اور گواہیوں کے باعث فیصلے پر وہ یہودی حیران اور ششدر رہ گیا' اور اس پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ خلیفتہ المومنین اور امیر المسلمین ہونے کے باوجود بھی انصاف کے تقاضے پورے ہو کر رہتے ہیں۔ اس لیے یہودی نے اس کے فوراً ہی بعد وہ زرہ بکتر حضرت علیؓ کو واپس کر دی اور اس امر کا علی الاعلان اقرار کر لیا کہ وہ زرہ بکتر حضرت علیؓ نے اس سے خریدی تھی۔ لیکن اس نے تو یہ مقدمہ صرف اس لیے دائر کیا تھا کہ وہ قاضی کی غیر جانبداری اور خلیفتہ المومنین کی راست بازی اور فیصلے پر استحکام دیکھ سکے۔

عبقریت علیؓ۔ حضرت علیؓ اسلام کے چوتھے خلیفہ اور عبقری سردار تھے۔ ان جیسی نابغہ روزگار ہستی برسوں میں پیدا نہیں ہوتی۔ ان کی شجاعت' بہادری' اسلام پر جاں نثاری' خیالات و افکار کی شائستگی' علم و عمل میں مثالی برتری ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ حضرت علیؓ کی پرداخت و

Marfat.com

پرورش کا شانہ نبوی ہی میں ہوئی تھی' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی فرزندی میں لے کر اپنے جگر گوشہ فاطمۃ الزہرا سے نکاح کر دیا تھا۔

حضرت علیؓ کو ہر دور میں اور ہر مکتبہ فکر میں اسلام کا ایک بہت بڑا سپوت تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کی شاہانہ بہادری اور دلیری نے انھیں "شیر خدا" جیسے لقب سے ملقب کر رکھا تھا۔ انھیں مشرق و مغرب کے مورخ اور دانش ور بجا طور پر علم و حکمت کے باب کا درجہ دیتے ہیں۔ بعض مورخین تو حضرت عمر جیسی وسیع و عریض اور عظیم اسلامی سلطنت و مملکت کے استحکام و انصرام میں بھی حضرت علیؓ ہی کی مشاورت اور معاونت کو ایک اہم جزو قرار دیتے ہیں۔ مشکل اور آڑے وقت میں لوگوں کی نہایت بے ساختہ پن سے مدد کرنا' غلط کو درست کرنا' سچ کی حمایت کرنا اور نادار و ضرورت مند کے لیے سب کچھ لٹا دینا حضرت علیؓ کے امتیازی اوصاف حمیدہ شمار ہوتے ہیں۔ اپنے انھی فضائل اور مناقب کے باعث حضرت علیؓ پوری اسلامی دنیا بلکہ انسانیت میں اپنا ہمسر نہیں رکھتے۔

موسیٰؑ اور ہارونؑ کی حیثیت۔ حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے عرض کیا' کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں کے ساتھ پیچھے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تمھاری حیثیت میری نسبت سے وہی ہو جو حضرت موسیٰ کے ساتھ حضرت ہارون کی تھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ دونوں نبی تھے' اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا"۔

ابو تراب۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک بار اپنی زوجہ مبارکہ سے معمولی رنجش کے بعد حضرت علیؓ مسجد میں جا کر آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ چنانچہ اس واقعے کی جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت علیؓ لیٹے ہوئے تھے' اور ان کے پہلو سے چادر کا ایک حصہ ہٹا ہوا تھا' اور ان کے جسم پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت علیؓ کے جسم سے مٹی پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے' اے ابو تراب اٹھو۔ اے ابو تراب اٹھو!۔

فاتح خیبر۔ حضرت سہیل روایت کرتے ہیں کہ میں نے غزوہ خیبر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا' اب میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر فتح کرائے گا۔ اور پھر لوگ اس آرزو میں ٹھہرے رہے اور سوچتے رہے کہ دیکھیں کل جھنڈا

Marfat.com

کس کو ملتا ہے' پھر صبح ہوئی تو کیفیت یہ تھی کہ ہر شخص یہ آس لگائے ہوئے تھا کہ جھنڈا اسے مل جائے گا' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "علیؓ کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علیؓ کو بلایا گیا اور نبی کریم نے حضرت علیؓ کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا' اور حضرت علیؓ اسی وقت تندرست ہو گئے۔ گویا آپ کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر حضرت علیؓ نے دریافت کیا۔ کیا ہم ان سے اس وقت تک جنگ کریں جب تک وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہو جائیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آہستگی اور وقار کے ساتھ چلو' حتیٰ کہ تم ان کے میدان میں اترو۔ بعد ازاں پہلے انھیں اسلام کی دعوت دو' اور ان کو بتاؤ کہ ان پر کیا فرائض عاید ہوتے ہیں۔ اس لیے بخدا' اگر تمھارے ذریعہ ایک شخص بھی مسلمان ہو جائے تو یہ بات تمھارے لیے سرخ اونٹوں کے حصول سے کہیں بہتر ہے"۔

ایک اور روایت میں یوں بھی ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کل جھنڈا وہ شخص لے گا' جسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوست رکھتے ہیں۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا' جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھتا ہے' اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں خیبر فتح کرائے گا۔ پھر غیر متوقع طور پر حضرت علیؓ نظر آئے تو لوگوں نے کہا لیجیے علی آ گئے۔ پھر نبی کریم نے انھیں جھنڈا عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں خیبر فتح کرایا"۔

علی ابن ابوطالب کی کنیت ابوالحسن تھی۔ وہ ۳۰ عام الفیل (قریباً ۶۰۰ء) میں رجب کے مہینے میں پیدا ہوئے۔ بنوہاشم آپ کا خاندان تھا۔ اسی خاندان کو تولیت کعبہ سونپی گئی تھی' اس اعتبار سے عرب کے دوسرے قبائل میں اس خاندان کو بلند مرتبہ حاصل تھا۔ حضرت علیؓ کے والد محترم ابوطالب کو مکہ کے لوگوں میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی پرورش میں جناب ابوطالب کا کردار بھی قابل قدر رہا۔ بلکہ جناب ابوطالب ایک عرصہ تک اپنے بھتیجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طرح سے سرپرستی فرماتے رہے تھے۔

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت علیؓ کی پرورش کرتے رہے' یہی وجہ ہے کہ کاشانہ رسول میں پرورش پانے کے باعث حضرت علیؓ سیرت و کردار میں امتیازی اور غیر معمولی اوصاف اور صلاحیتوں کے حامل تھے۔

ہجرت نبویؐ میں کردار۔ تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

کی نبوت پر ایمان لانے والوں میں خواتین میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ، مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بچوں یا نوجوانوں میں حضرت علیؓ نے اولیت اور امتیاز حاصل کیا۔ یہ کاشانہ نبوی کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ حضرت علیؓ نے اوائل شباب ہی میں دین اسلام کو قبول کر لیا تھا۔ پھر اس کے بعد ہجرت نبوی کے وقت حضرت علی کا کردار سب سے افضل اور اہم دکھائی دیتا ہے۔ مکہ سے مدینہ کی طرف اس تاریخی ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سفر تھے، لیکن حضرت علیؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں لوگوں کی امانتیں ادا کرنے کے لیے روک دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ہجرت نبویؐ کی رات کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر بھی سلایا تھا تاکہ دشمنان اسلام یہی سمجھیں کہ اپنے بستر پر حضور نبی اکرم ہی استراحت فرما ہیں۔ یہ ایک بہت ہی پر خطر رات تھی جس میں حضرت علی نے نہایت بہادری، جرات، وارفتگی اور جاں نثاری کا ثبوت فراہم کیا۔

مکہ کے لوگ حتیٰ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن بھی حضور پاک کی ایمانداری، امانتوں کی پاسداری اور سچائی اور راست بازی کے معترف تھے۔ ہجرت کی اگلی صبح حضرت علی نے لوگوں کو ان کی امانتیں واپس کیں اور پھر وہ بھی مدینہ کی جانب ہجرت کر گئے۔

رسول اللہ کے عزیز۔ حضرت علیؓ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد عزیز رکھتے تھے، اسی لیے انھوں نے اپنی سب سے چہیتی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا کو حضرت علی کے نکاح میں دے کر [redacted] کوئی عار محسوس نہیں کی تھی۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ کے نکاح کی تقریب نہایت سادہ، ذمے دارانہ اور پروقار تھی۔ والد کی جانب سے حضرت فاطمہ کو مختصر سا جہیز دیا گیا، جس میں کپڑے کی ایک چادر، مٹی کے چند ایک ضروری ظروف اور پتھر کی آٹا پیسنے والی ایک چکی شامل تھی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کے بطن سے تین بیٹے امام حسن، حسین، اور محسن اور دو بیٹیاں جناب زینت اور جناب ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت امام حسین ہی کے واسطے سے چلتا ہے، اور یہی لوگ بعد میں سید کہلانے لگے۔

حضرت علیؓ نے نہایت سادہ اور حلیم زندگی بسر کی۔ وہ تمام عمر محنت کر کے اپنا معاش کماتے رہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے گھر کے مال اسباب میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکے۔ آپ کی اہلیہ حضرت فاطمہ اپنے گھر کا بیشتر کام اپنے ہی ہاتھوں سے مشقت کے ساتھ کرتی رہیں۔ اس کے باوجود حضرت علی ہمیشہ خیرات، سخاوت، ایثار، قربانی اور انسانیت نوازی پر ہی توجہ دیتے رہے۔ انھوں نے دوسروں کے حقوق اور ضروریات ہی کی اولیت دی۔ وہ کبھی اپنے

Marfat.com

مفادات کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ تاریخ انسانیت میں اس مثالی جوڑے کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ وہ سوالی کو اپنے منہ تک کا لقمہ دے دیتے رہے اور خود اللہ کے توکل پر ہو جاتے تھے۔

جذبہ تبلیغ دین۔ حضرت علیؓ کے دینی ذوق شوق اور جوش و جذبہ کے باعث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کے لوگوں میں تبلیغ دین کے مشن پر روانہ فرمایا اس سے پیشتر ابتدائی دنوں میں اس خطے کے لوگوں میں تبلیغی مشن کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ اپنے تبلیغی دینی مشن کے دوران میں وہاں پر ہمدان کے قبیلے کے لوگوں سے ملے، انھیں اسلام کی دعوت دی۔ لہٰذا اس قبیلہ کے لوگوں نے اسی روز دین اسلام کو قبول کر لیا تھا۔ اس سے بیک وقت دین اسلام کی کشش اور حضرت علیؓ کے انداز تبلیغ کا ثبوت ملتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حضرت علیؓ کی تقریر و تبلیغ اور زور بیان کے باعث بے شمار ضدی اور کٹھور لوگ بھی بخوشی اسلام قبول کرتے رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے تبلیغ دین اور ترویج اسلام کی خاطر جو مثالی خدمات انجام دی ہیں، ان کے لیے ایک الگ دفتر کی ضرورت ہے۔

فتح و نصرت کی علامت۔ حضرت علی کی بہادری اور شجاعت بھی عربوں میں مثالی اور یکتا تھی۔ اسلام کے ابتدائی دور میں انھوں نے اس معاملے میں جو اہم خدمات انجام دی ہیں، ان کے ذکر سے تاریخ اسلام بھری ہوئی ہے۔ وہ جرات و بیباکی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اسی لیے ان کے پے بہ پے کارناموں نے انھیں ایک بطل عظیم بنا دیا تھا۔ ان کا وجود ہی بہادری شجاعت اور فتح و نصرت کی علامت بن چکا تھا۔ وہ دفاع دین اور تحفظ اسلام کے لیے ہراول دستے میں سب سے امتیازی اور نمایاں کارنامے انجام دیتے تھے۔ ان کے سامنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی کھڑے رہنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ وہ ہر باطل قوت کے لیے ایک طرح کا قہر خداوندی تھے۔ بے شمار کافر اور دشمن تو ان کا نام سن کر ہی دہل جاتے تھے۔ غزوات نبوی میں انھوں نے محض جنگ تبوک میں حصہ نہ لیا، اس کے علاوہ باقی تمام جنگوں میں وہ ہراول دستے ہی کے سب سے ممتاز اور باوقار شہ سوار رہے ہیں۔ غزوہ تبوک میں اپنی عدم شرکت پر جب حضرت علیؓ نے تاسف اور پشیمانی کا اظہار کیا تو اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برملا فرمایا تھا کہ اے علی! تمھاری حیثیت میرے بعد مدینہ میں ایسی ہی ہے کہ جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے بھائی ہارون کی تھی۔ اور حضرت ہارون بھی نبی تھا لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔

لافتیٰ الا علی۔ حضرت علیؓ بے پناہ جری اور بہادر تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے اپنی بہادری

Marfat.com

کے جوہر جنگ بدر میں دکھائے' اس وقت عربوں میں ولید اور شیبا کی جنگی بہادری کے چرچے تھے' لیکن جنگ بدر میں حضرت علی نے ان دونوں سورماؤں کو اپنے ایک ہی مقابلے میں جیت لیا تھا۔ اس کے بعد جنگ احد میں اسلامی فوج کے علمبردار کو جب ناکامی ہوئی تو اس وقت حضرت علی نے خود علم سنبھال لیا' اور دشمن کے علمبرداروں کو بہت نقصان پہنچایا۔ حضرت علیؓ انھی کارناموں' بہادرانہ معرکوں اور جراتوں کے باعث وہ "لافتی الاعلی" یعنی علی جیسا کوئی جوان بہادر نہیں ہے' کے طور پر مشہور ہو گئے۔ اس کے بعد بھی حضرت علیؓ کی بہادری اور دلاوری کے چرچے رہے۔ پھر انھوں نے عربوں کے ایک اور بہت بڑے جنگجو امرابن عبد کو مقابلہ مبارزت میں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

قلعہ شکن۔ پھر اسی طرح خیبر کی وادی اپنی دولت اور قلعہ بند مضبوطی کے باعث بہت اہم تھی۔ یہاں پر یہودیوں کو بڑا استحکام حاصل تھا۔ اسے فتح کرنے کے لیے مسلمانوں نے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سرکردگی میں اور پھر عمر فاروقؓ کی سربراہی میں حملے کیے' لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ اس کے بعد ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنائی کہ کل مجھ سے ایک ایسا شخص علم لے گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ خیبر کی فتح کرا دے گا۔ اس وقت حضرت علیؓ آنکھوں کے عارضے میں مبتلا تھے' لیکن اللہ کے نبی کے حضرت علیؓ کی آنکھوں پر اپنا لعاب مبارک لگایا تو ان کی آنکھیں بالکل درست ہو گئیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اسلامی فوج کا علم دیا اور خیبر پر حملہ کرنے کا حکم فرمایا۔ لہٰذا حضرت علیؓ نے نہایت طاقت اور بہادری کے ساتھ حملہ کیا اور قلعہ خیبر کے مضبوط اور بھاری دروازے کو توڑ دیا۔ اس کے بعد متعدد مسلمان مجاہدین قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور یوں قلعہ فتح ہو گیا۔

ایک طرف تو حضرت علیؓ اس قدر بہادر اور جرات مند تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بے حد رحم دل اور کریم تھے۔ بتایا جاتا ہے کسی معرکے میں جب وہ کسی دشمن سے دست بدست نبرد آزما تھے تو اس وقت دشمن بدحواسی میں برہنہ ہو گیا' اس پر حضرت علیؓ نے اس دشمن پر بھی مزید وار نہ کیا بلکہ اس کی جان بخش دی۔ تاریخ میں اسی طرح کے اور کئی واقعات بھی حضرت علیؓ ہی کے حوالے سے ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپؓ پر قاتلانہ حملہ کرنے والے شخص ابن ملجم کو آپؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو زندگی اور موت کی کش مکش کے عالم میں بھی انھوں نے اس شخص کیساتھ نرم اور بہتر سلوک کرنے کی تلقین کی' اور فرمایا کہ اسے کسی قسم کی بے جا تکلیف نہ دی جائے۔

مشیر مملکت۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب کا اہل عرب میں ایک بلند مقام تھا۔ پہلے دو خلفاء

Marfat.com

کے عہد خلافت میں ان کا منصب مملکتی مشیر کا تھا۔ لہٰذا اس عہد میں وہ متعدد پیچیدہ اور اہم امور کے فیصلے بڑی ذہانت' ذمے داری اور عقل مندی کے ساتھ کرتے تھے۔ اس کے بعد بیشتر سرکاری امور حضرت علیؓ کے مشورے ہی سے طے پاتے تھے۔ پھر بعض ایسے امور جن کا خلیفہ کے علم میں لانا ضروری ہوتا تھا' وہ حضرت علیؓ کی سفارش اور وساطت ہی سے خلیفہ تک پہنچتے تھے۔ خلفاء بھی اپنے اکثر امور اور فیصلوں میں حضرت علیؓ سے ضرور مشورہ لے لیا کرتے تھے۔ بالخصوص قانونی و عدالتی امور اور مذہبی معاملات میں تو حضرت علی کی رائے ضرور حاصل کی جاتی تھی۔ بلکہ بعض امور میں تو حضرت علی ہی کی رائے کو وقیع سمجھا جاتا اور ان کا فرمایا ہوا سند تسلیم کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی نے جن مقدمات کے فیصلے کئے' جو تجاویز پیش کیں' انھیں ہر دور میں اہم اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کا بیشتر وقت ترویج و تبلیغ اسلام ہی کے لیے گزرا۔ اس دوران میں انھوں نے دینی' ادبی اور علمی اعتبار سے نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں' اس دور میں تو انھوں نے عملی طور پر جنگ و جدل میں بھی حصہ نہیں لیا تھا۔ یہاں تک بھی بتایا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جو انتظامی اور فلاحی اصلاحات ہوئیں ان میں حضرت علیؓ ہی کی تجاویز اور خواہشات کا پرتو موجود تھا۔

بطور خلیفہ چہارم۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی بن ابی طالب کو مسلمانوں کا چوتھا خلیفہ چن لیا گیا تھا۔ اس وقت اسلامی دنیا کی سیاسی حالت بڑی ہی نازک اور پر خطر تھی۔ مدینہ جو کہ ایک مرکزی اسلامی شہر تھا اسے شورش پسندوں نے محاصرے میں لے رکھا تھا۔ اس لیے اگرچہ حضرت علیؓ کا مقام و مرتبہ بے حد بلند اور ارفع تھا لیکن اس کے باوجود بھی لوگ حالات کی نزاکت کے باعث علی الاعلان' ان کی بیعت کرنے سے گریزاں تھے۔ اس وقت ایک فرد امیر معاویہؓ جو خود بھی با اثر اور خاصا مضبوط تھا وہ خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ ویسے بھی امیر معاویہؓ نے بجا طور پر یہ محسوس کر لیا تھا کہ حضرت علیؓ کی موجودگی میں اسے مقام و مرتبہ میسر آنا محال بلکہ مشکل تھا' اس لیے اس نے خون عثمانؓ کا بدلہ لینے کا مسئلہ اٹھا دیا تھا۔

اس تناظر میں حضرت علیؓ کے لیے خلافت کے امور سے عہدہ برا ہونا چنداں آسان نہیں تھا' اس لیے اپنی خلافت کے آغاز میں حضرت علیؓ نے نہایت محتاط انداز اختیار کیا۔ ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ قاتلین عثمان کو جلد از جلد سزا دی جائے۔ طلحہ اور زبیر کو فی الفور سزا دینے کی تجویز پیش کی جا رہی تھی۔ لیکن اس حوالے سے حضرت علیؓ کی خواہش بھی اگرچہ یہی تھی لیکن وہ

Marfat.com

حالات کو ابھی مساعد نہیں سمجھتے تھے۔ اس اعتبار سے یہ نہایت نازک اور کڑا وقت تھا۔ اس لیے اگر اس ساری صورت حال کو دانش مندی اور ذہانت سے نہ سنبھالا جاتا تو عرب بدوی بغاوت ہو جاتی' اور اس طرح مرکز اسلام ایک بار پھر قبل از اسلام کے سے عہد میں چلا جاتا۔ اس لیے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ابھی مناسب وقت نہیں آیا' لہٰذا میں ان امور کے سلسلے میں اس وقت تک انتظار کروں گا کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے کوئی بہتر راہ نہیں سجھا دیتے۔

امیر معاویہ کا معاملہ۔ گویا اس وقت باغیوں کے خلاف کسی قسم کی شدید کارروائی کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا' بلکہ باغیوں کے خلاف کسی بھی قسم کی تادیبی کارروائی امن و امان کو مخدوش بنا سکتی تھی۔ بہر صورت ان حالات میں بھی قریباً تمام مسلمان مورخین جناب امیر معاویہؓ کے منصوبوں اور خیالات کے بارے میں کوئی حتمی اور دو ٹوک رائے ظاہر نہیں کرتے بلکہ شکوک کی سی فضا کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر حضرت عائشہ' حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ کے حوالے سے بھی معاملات کی نزاکت محل نظر تھی۔

اس صورت حال میں امر معاویہ کی جانب سے خون عثمان کا مطالبہ کرنا اگرچہ درست تھا لیکن ان کا یہ اصرار اور تقاضا بروقت نہیں تھا' بلکہ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ امیر معاویہ کے اس مطالبہ کے پیچھے کچھ اور سیاسی مقاصد بھی کار فرما تھے۔ اس حقیقت کے باوجود حضرت علی ان کے خلاف کوئی فوری کارروائی کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ ان کی حتیٰ الامکان یہی خواہش تھی کہ تمام معاملات صلح صفائی ہی سے نمٹائے جا سکیں۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ پہلے قومی امور پر توجہ دی جائے اور اس کے بعد نزاعی معاملات سلجھائے جائیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا حضرت عائشہ صدیقہ کو بے حد دلی صدمہ اور جانکاہ دکھ ہوا تھا۔ اس گمبھیر صورت میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی پوری طرح سے حضرت عائشہؓ صدیقہ کے ہم نوا اور ساتھی تھے۔ لہٰذا اکتوبر ۶۵۶ء میں اس گروہ نے بصرہ پر اپنا قبضہ کر لیا تھا۔ اس نئی صورت حال کو سنبھالنے کی خاطر حضرت علی نے خود کوفہ کی جانب پیش قدمی کی۔ اس طرح ۱۲ رجب ۳۶ ہجری کو کوفہ کے لوگوں نے حضرت علیؓ کا بڑا ہی پر تپاک خیر مقدم کیا۔ حضرت علیؓ کو کوفہ میں سرکاری حوالے سے بھی بڑا ہی مقام اور مرتبہ دیا گیا اور شاہی محل میں ان کے قیام اور آرام کا اہتمام کیا گیا۔ حضرت علی چونکہ شاہانہ تپاک اور انتظام و انصرام کے بجائے درویشانہ طبع کے باعث لوگوں کے زیادہ قریب رہنا چاہتے تھے۔ اس لیے حضرت علیؓ نے شاہی محل کے بجائے ایک کھلے میدان میں خیمے لگانے کو ترجیح دی۔ پھر اسی حالت میں ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت عائشہ کے حواری اور حضرت علیؓ کے ساتھی ایک طرح کی جنگ کے لیے آمنے سامنے آگئے۔

Marfat.com

اس صورت حال سے حضرت عائشہ صدیقہ بھی بجا طور پر بچنا چاہتی تھیں' شاید حضرت علی کی فوج کے لوگ جنگ کو ناگزیر سمجھتے تھے۔ لیکن اسی دوران میں بعض بدخواہ لوگوں کی کارروائیوں کے باعث ایک وقت آیا کہ دونوں فریقوں میں جنگ چھڑ گئی۔ ہر فریق یہی سمجھتا رہا کہ اس جنگ کا آغاز مخالف گروہ نے کیا ہے۔

سبائی سازشیں۔ اس نازک ترین صورت حال میں بھی حضرت علیؓ نے پوری کوشش کی کہ نقصان سے مسلمان محفوظ رہیں۔ لہٰذا انھوں نے حضرت زبیرؓ کی نیکیوں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کے حوالے سے انھیں احساس دلایا تو اس پر حضرت زبیر نے اپنے آپ کو میدان جنگ سے علیحدہ کر لیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت زبیر اس جنگ سے لا تعلق ہو کر مکہ کی طرف واپس جا رہے تھے کہ ایک ظالم سبائی شخص نے انھیں قتل کر دیا۔ کیونکہ اصل میں حضرت عائشہ اور حضرت علیؓ کے مابین اس ہونے والی جنگ میں بھی اصل میں سبائی لوگوں کی شرارت تھی۔ اس کے بعد سبائی گروہ نے حضرت زبیر کا سر قلم کر کے حضرت علیؓ کے پاس فتح اور انعام کے حوالے سے بھجوا دیا۔ حضرت علی نے جب حضرت زبیر کا قلم کیا ہوا سر دیکھا تو انھیں بے حد صدمہ ہوا' کیونکہ وہ تو ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے۔ اس موقع پر حضرت علیؓ نے نہایت صدمے اور دکھ کی حالت میں کہا کہ "اللہ حضرت زبیرؓ کو شہید کرنے والے کے نصیب میں دوزخ کر دے"۔

حضرت عائشہ سے حسن سلوک۔ بہر صورت اس ساری صورت حال سے حضرت علیؓ کو بے حد صدمہ اور دکھ ہوا۔ ویسے بھی سرکاری شاہی فوجوں کے مقابلے میں حضرت عائشہ کے ساتھ جذباتی اور غیر تربیت یافتہ عام مسلمان تھے' اس لیے وہ سرکاری فوجیوں کی تاب نہ لا سکے۔ گویا حضرت عائشہ کے ساتھیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے باوجود حضرت علیؓ بذات خود زوجہ رسول محترمہ حضرت عائشہ کے پاس گئے۔ ان کی احوال پرسی کی۔ ساری پیدا ہونے والی صورت حال پر اظہار افسوس کیا اور بھرپورے احترام' اعزاز و تقدس اور خلوص کے ساتھ انھیں واپس روانہ کرنے کے انتظامات کروا دیئے۔ بتایا جاتا ہے کہ واپسی کے اس سفر میں حضرت علیؓ خود بھی عائشہ صدیقہ کے ساتھ ساتھ دور تک گئے اور پھر انھیں الوداع کہا۔

امیر معاویہ سے جنگ۔ حضرت عائشہ صدیقہ کو تعظیم و تقدیس بخشنے اور بہتر حسن سلوک حالات و واقعات نے یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ حضرت معاویہ کو حضرت علیؓ کی خلافت منظور نہیں تھی۔ شاید اسی لیے انھوں نے اپنے آپ کو شام کا ایک خود مختار اور ایک طرح کا مرکز سے لا

Marfat.com

تعلق گورنر بنا لیا تھا۔ اگرچہ صوبہ شام میں گورنر کی اس قدر آزادی اور خود مختاری مرکزی حکومت کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھا لیکن اس کے باوجود حضرت علیؓ اب مسلمانوں کے باہمی نفاق اور خون خرابہ سے گریزاں تھے۔ وہ اس مسئلے کا بھی کوئی قابل عمل اور پرامن حل چاہتے تھے۔ لیکن شاید اس وقت تک امیر معاویہ کا مقام اور صورت احوال خاصی مختلف ہو چکی تھی۔

جناب امیر معاویہ کے نزدیک مسئلہ حل کرنے کی شرائط قدرے مختلف ہی تھیں۔ اس صورت میں حضرت علیؓ نے یہ پیش کش بھی کر دی تھی کہ ذاتی لڑائی اور مخاصمت سے بالا ہو کر مسائل حل کیے جائیں، لیکن اموی لوگ اس بارے میں سنجیدہ نہیں تھے۔ اس لیے جلد ہی وہ افسوس ناک وقت آ گیا کہ جب امیر معاویہ اور حضرت علیؓ کی فوجوں میں محاربہ شروع ہو گیا، چند ایک معرکوں کے بعد امیر معاویہ کے فوجیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ان معرکوں میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ امیر معاویہ میدان جنگ سے بھاگنے ہی والے تھے کہ ان کے ایک ساتھی عمر بن العاص نے ایک چال کے تحت نیزوں پر قرآن مجید کو بلند کر کے گویا ایک طرح سے صلح کرنے کا پیغام دیا۔ اس پر خلیفہ کی فوجوں نے مزید پیش قدمی روک دی اور یوں تنازعہ ایک طرح صلح میں بدل گیا۔ لیکن تاریخی طور پر بتایا جاتا ہے کہ امیر معاویہ کے صلح کے نمائندے نے حضرت علیؓ کی جانب سے صلح کے نمائندے کے ساتھ ایک طرح کی چال چلی تھی، گویا اس طرح یہ معاہدہ صلح بھی ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

خوارج کا گروہ۔ اس طرح اسلام کے مرکز میں بدستور ایک طرح کی کشیدگی پیدا ہوتی گئی۔ بے شمار لوگوں میں انتشار اور بد امنی پھیلتی گئی۔ یوں مسلمانوں میں ایک طبقہ خارجی لوگوں کا بھی پیدا ہو گیا۔ یہ ایک حوالے سے مذہبی اور متعصب لوگوں کا گروہ تھا۔ اس لیے خوارج کا یہ گروہ جذباتی بھی تھا۔ اس گروہ میں شامل لوگ کئی حوالوں سے معتبر اور اہم بھی تھے، اس لیے اس گروہ کے پیدا ہونے کے باعث خلافت علیؓ کے لیے ایک مستقل خطرہ پیدا ہو گیا تھا، ان لوگوں کی حیثیت کئی حوالوں سے حزب مخالف اور واک آؤٹ کر جانے والے افراد کی سی تھی، اس لیے حضرت علیؓ کی انتظامیہ کے لیے کئی طرح کے مسائل پیدا ہونے لگے تھے۔ ان خارجی لوگوں نے پوری سلطنت اسلامیہ میں بدامنی اور لاقانونیت پھیلانا شروع کر دی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ان خارجی لوگوں کی سرگرمیاں اس قدر شدید ہو گئیں کہ انھوں نے بے گناہ اور معصوم لوگوں کو قتل بھی کرنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ متعدد افراد کو جبراً اور اپنی قوت کے زور پر خوارج میں شامل کرنا اپنا معمول بنا لیا تھا۔

خوارج کی متعصبانہ سرگرمیاں۔ گروہ خوراج کا پیدا ہو جانا اگرچہ حضرت علیؓ اور ان

Marfat.com

کی انتظامیہ اور امور خلافت کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ بن چکا تھا۔ لیکن حضرت علیؓ نے ان خارجی لوگوں اور ان کی متعصبانہ کارروائیوں اور تخریبی سرگرمیوں پر بڑے صبرو تحمل سے کام لیا۔ پھر جب خوارج کی کارروائیاں حد سے بڑھ گئیں اور عام لوگوں کو زیادہ نقصان پہنچنے لگا تو اس وقت حضرت علیؓ نے ان لوگوں سے نمٹنے کے لیے سنجیدگی سے توجہ دی اور پھر ایک بھرپور طاقت اور منصوبہ بندی کے ساتھ ان کے ساتھ جنگ کر کے ان کا قلع قمع کر دیا۔

اگرچہ حضرت علیؓ نے اپنی حکمت عملی کے تحت خوارج پر بڑی حد تک بالادستی حاصل کر لی تھی لیکن اس کے باوجود انھیں دیگر سیاسی مسائل کا سامنا رہا۔ انھیں جس نازک اور مسائل سے بھری ہوئی صورت حال میں خلیفہ بنایا گیا' اس صورت حال میں کسی طور تبدیلی واقعہ نہیں ہو رہی تھی۔ یہی نہیں بلکہ شورشوں اور بغاوتوں کا بھی آغاز ہو گیا۔ اسی دور میں کرمان اور فارس کے لوگوں نے حضرت علی کی خلافت کے خلاف بھرپور بغاوت کر دی تھی۔ ان علاقوں میں بغاوت کو دبانے کی خاطر خلیفتہ المومنین حضرت علی نے زید بن عبیدہ کو روانہ کر دیا۔ جناب زید بن عبیدہ نے اپنی پے بہ پے کارروائیوں کے بعد اس بغاوت پر قابو پا لیا۔ گویا اس طرح کرمان اور فارس کے علاقے میں ایک بار پھر امن و امان قائم ہو گیا۔

کرمان اور فارس کی اس بغاوت کو دبانے کے بعد خلیفہ چہارم حضرت علی نے مجرموں اور باغیوں کے ساتھ شدید سلوک کرنے کے بجائے رحم دلی اور احسن کردار ادا کیا۔ بڑے بڑے باغیوں کو بھی معاف کر دیا۔ اس کے بعد بغاوت کرنے والے لوگ یکسر خلیفہ کے ہمدرد اور غم گسار بن گئے۔ تاریخوں میں بتایا جاتا ہے کرمان اور فارس کے باغیوں کے ساتھ حضرت علیؓ کے حسن سلوک اور ہمدردانہ کردار نے فارس والوں کو عہد نوشیرواں کی یادیں تازہ کر دی تھیں۔

قتل کا منصوبہ۔ حضرت علیؓ کی رحم دلیوں اور حسن سلوک کے باوجود بھی ملک میں خوارج کی سرگرمیاں ایک بار پھر بڑھتی گئیں۔ لیکن اس پر بھی حضرت علیؓ نے کسی شدید رد عمل کا اظہار نہ کیا۔ اسی اثناء میں تین سرپھرے متعصب اور جنونی خارجیوں نے ایک خفیہ منصوبہ یہ بنایا کہ ایک مقررہ وقت پر بیک وقت تین بڑے مسلمان رہنماؤں کو قتل کر دیا جائے۔ اس منصوبے کے تحت خلیفتہ المومنین حضرت علی' جناب امیر معاویہؓ اور حضرت عمر بن العاص کو قتل کرنے کی سازش تھی۔ ابن ملجم کو یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ حضرت علی کو قتل کرے گا۔ لہٰذا ایک مقررہ وقت پر کہ جب حضرت علیؓ نماز پڑھنے کے لیے مسجد کی طرف جا رہے تھے' اس وقت ابن ملجم نے ان پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔

اس پر بھی رحم دل اور حلیم خلیفہ حضرت علیؓ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اس شخص کے

Marfat.com

ساتھ رحم دلی سے پیش آیا جائے۔ لیکن حضرت علیؓ زخموں کی شدت کے باعث جانبر نہ ہو سکے۔ اور تریسٹھ سال کی عمر میں جام شہادت نوش کر گئے۔ اس طرح حضرت علیؓ چار سال نو مہینوں تک خلافت کے منصب پر برقرار رہے۔ حضرت علی کا سارا عہد خلافت بدامنی اور شورشوں سے بھرا رہا تھا' لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنے عدل و انصاف' ہمدردی اور رحم دلی سے لوگوں میں بلند مقام حاصل کیا۔ حضرت علیؓ کو جب منصب خلافت کی ذمے داریاں سونپی گئیں اس وقت سلطنت اسلامیہ میں بدامنی' انتشار اور سیاسی اضطراب کا دور دورہ تھا۔ لوگوں میں گروہ بندیاں بہت زیادہ تھیں۔ پھر ان کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ کے حواریوں کی سرگرمیوں سے بھی خاصی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن حضرت علیؓ نے ان تمام امور سے نمٹنے کے لیے نرم اور مصالحانہ رویہ اختیار کیا۔ اس طرح بعض لوگوں نے حضرت علی کی حد سے بڑھی ہوئی رحم دلی' ہمدردی اور امن پسندی کو بزدلی اور کمزوری پر محمول کیا۔ حالانکہ وہ شیر خدا تھے۔ بہادری میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا' ان کے کارنامے ضرب المثل بن گئے تھے۔

علم کا دروازہ۔ حضرت علیؓ اسلام کے ایک بہت بڑے بہادر اور فرزند عظیم تھے۔ ان کا بچپن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں گزرا' اور انھیں یہ سعادت بھی نصیب ہوئی. کہ داماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بنے۔ حضرت علیؓ نے قریباً تیس سال کا عرصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بہت بڑے ساتھی اور مونس کے طور پر گزارا۔ اس حوالے سے حضرت علیؓ کو کاشانہ نبوی سے سب سے زیادہ فیض یاب ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مزاج شناس نبوی بھی تھے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرمایا کرتے تھے کہ "میں علم کا شہر ہوں' اور علی اس کا دروازہ ہے"۔ حضرت علیؓ کو اسلامی تعلیمات کے حوالے سے بھی بہت بلند اور اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ حضرت علیؓ قرآن کے حافظ اور اس کے بہت بڑے شارح تھے۔ انھیں اپنے عہد کے تمام حفاظ اور مفسرین قرآن میں سب سے بلند مرتبہ حاصل تھا۔ حضرت علیؓ ہی وہ پہلے شخص تھے کہ جنہیں وفات نبوی کے بعد سب سے پہلے قرآن مجید کو باضابطہ طور پر مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ لہٰذا انھوں نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت کے ابتدائی چھ مہینوں میں یہی کام سرانجام دیا تھا۔

اجتہادی بصیرت۔ ابن ندیم نے اپنی کتاب "الفہرست" میں حضرت علیؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے شرعی تشریحات کے حوالے سے نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بیان کردہ شرعی امور کی سند اور صحت کو سب پر فائق سمجھا جاتا ہے۔

Marfat.com

اس کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ بہت بڑے مجتہد تھے۔ اس حوالے سے ان کا مقام و مرتبہ ہر عہد میں بہت برتر دکھائی دیتا ہے۔ پیچیدہ اور پریشان کن امور میں انھوں نے اپنی ذہانت اور اجتہادی بصیرت سے جس طرح کام لیا' اس کی مثال کہیں اور ملنا محال ہے۔ دینی اور فقہی امور میں انھیں جو دسترس اور رفعت حاصل تھی وہ بے نظیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے سے پہلے خلیفوں کے دور میں تمام نازک اور پیچیدہ امور میں انھی کی رائے اور مشاورت ہی کو صائب اور راست سمجھا جاتا ہے۔

میدان تصوف میں جناب علی بن ابی طالب کا جو مقام و مرتبہ ہے اس پر حضرت جنید بغدادی نے بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ اس سلسلہ تصوف میں وہ حضرت علی کو سب سے بلند مقام پر دیکھتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے تو اپنی رائے میں حضرت علی کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے بار خلافت قبول کرنے سے پہلے تصوف کی بلند رفعتیں حاصل کر رکھی تھیں۔ اور وہ قبل اسلام بھی عرب کے دو مشہور ترین مقررین میں شمار ہوتے تھے۔ ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ مشہور مقرر تھے اور دوسرے حضرت علیؓ۔ ابن الندیم نے تو یہاں تک بھی لکھا ہے کہ حضرت علی ہی عربی گرامر کے بانی اور موجد ہیں۔

اسلام کے دور اولیٰ میں حضرت علیؓ سے بڑھ کر کوئی بڑا مقنن اور منصف نہیں تھا۔ اس دور میں حضرت علیؓ کے کیے ہوئے منصفانہ فیصلوں پر کبھی کسی کو دوسری رائے رکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ اس دور کا ایک واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے' کہ ایک بار دو خواتین نے بیک وقت ایک ہی شیر خواہ بچے پر اپنے اپنے حق کا دعویٰ کر دیا۔ کوئی عورت اس بچے کو دوسرے کے سپرد کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ حضرت علیؓ نے ان دونوں خواتین کو بغور سنا اور پھر فیصلہ سنا دیا کہ اس شیر خوار بچے کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا دونوں دعویدار عورتوں کو دے دیا جائے۔ اس فیصلے پر اس بچے کی جو اصل ماں تھی' وہ تڑپ اٹھی اور اس نے پسند نہ کیا کہ اس کے بچے کے دو حصے کر کے تقسیم کر دیئے جائیں' لہٰذا اس نے اپنے دعوے سے دست بردار ہونے کے کا اعلان کر دیا اور برملا کہا کہ مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے یہ دوسری دعویدار کو دے دیا جائے۔ گویا اس طرح بچے کی حقیقی ماں نے بچے کی جان کو سب سے عزیز اور مقدم جانا۔ اس عمل پر حضرت علی نے وہ بچہ اس کی اصل اور حقیقی ماں کے سپرد کر دیا اور جھوٹی دعویدار عورت کو سزا دی۔

دشمنوں میں بھی محترم۔ حضرت علی کی عادلانہ فضیلتوں کا زمانہ معترف تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ "بخدا ہمیں کبھی ایسے مسئلے کا سامنا نہیں ہوا کہ جس کا کوئی نہ کوئی

Marfat.com

حل حضرت علیؓ کے پاس نہ ہو"۔ عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ مقدمات کے تصفیے اور عدل و انصاف میں حضرت علی کے فیصلوں کو ہر اعتبار سے موزوں کہا جاتا تھا۔ مدینہ میں حضرت علی سے بڑا کوئی منصف موجود نہیں تھا۔ اپنی زندگی ہی میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن میں قاضی مقرر کر رکھا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس امر کی ہدایت دے رکھی تھی کہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے دونوں فریقوں کے موقف کو سن لینا ازحد ضروری بلکہ لازمی سمجھا جائے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب کی انصاف پسندی اور قضائت پر تو حضرت علی کے بڑے سے بڑے دشمن بھی خاموش ہو جاتے تھے۔ امیر معاویہ کہ جن کی عرصے تک حضرت علیؓ سے ٹھنی رہی تھی، وہ بھی اپنے صوبے کے بعض نازک اور پیچیدہ امور میں ان کے عدل و انصاف اور فیصلوں کی بجا طور قدر کرتا تھا۔ بلکہ کئی مشکل فیصلوں کا معاملہ وہ حضرت علی ہی کی جانب بھیج دیا کرتا تھا۔ ایسے امور میں حضرت علیؓ نے جو نہایت اہم اور تاریخی طور پر وقیع فیصلے دیئے ہیں، ان سے اسلامی بھری پڑی ہے۔

فقرو قناعت۔ خلیفہ چہارم حضرت علیؓ اپنے منصب خلافت پر بھی نہایت سادہ اور عام آدمی کی سی زندگی گزارتے رہے۔ بلکہ بعض حوالوں سے یہاں تک بھی بتایا جاتا ہے کہ کئی بار گھر میں فاقہ بھی ہو جاتا تھا۔ آپ کی اہلیہ مبارک محترمہ فاطمتہ الزہرا بھی سادگی اور نرم دلی کا مجسمہ تھیں۔ وہ اپنے گھر کا کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں اور خود چکی پر آٹا پیستی تھیں۔ گویا حضرت علیؓ کی پوری زندگی سادگی اور اعتدال پسندی کا ایک احسن نمونہ تھی۔ سادگی اور فقروقناعت نے ان کی زندگی کو بے حد حلیم اور مجسمہ ہمدردی بنا رکھا تھا۔ کفائت شعاریوں کی کوئی اور مثال نہیں تھی۔ ایمانداری، زہدو تقویٰ اور رحم دلی ان کے نمایاں ترین اوصاف تھے۔ دنیاوی جاہ و حشم اور مادی دولت کی حضرت علیؓ کی نظر میں پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں تھی۔ دنیاداری کو وہ ذرہ برابر بھی وقعت نہیں دیتے تھے۔ جب رومی اور ایرانی سلطنتوں پر اسلام کو تسلط حاصل ہوا تھا تو اس وقت ان دونوں عظیم حکومتوں کی بے پناہ دولت کے ان کے سامنے انبار لگ گئے تھے لیکن حضرت علیؓ اسے اس قدر حقیر اور کمتر سمجھتے تھے کہ اسے دیکھنا بھی پسند نہ کیا۔

حلیم طبع اور سادہ۔ فقرو غنا میں اس قدر کامل تھے کہ انھوں نے ایک بار بیت المال کے سارے مال کو غریبوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح ان کی سادگی کا یہ کمال تھا کہ کوفہ میں جب ان کے شاہانہ استقبال اہتمام کیا گیا تو انھوں نے اسے قبول ہی نہ کیا۔ زرق برق آرام وہ خصوصی شاہی محلات کے بجائے انھوں نے عام لوگوں میں رہنے کو ترجیح دی۔ یہ

158918

Marfat.com

حضرت علیؓ کی بہت بڑی شان تھی کہ انھوں نے شاہی محلات کو آسودہ گوشوں کو ٹھکرا کر عام کھلی جگہ میں رہنا پسند کیا۔

بتایا جاتا ہے کہ اپنی خلافت کے دور میں بھی انھوں نے اپنے ذاتی اخراجات اور مال ومتاع میں کوئی اضافہ نہ ہونے دیا۔ اس دور میں بھی وہ کھردرا لباس زیب تن کرنے' سادہ غذا کھاتے اور محنت مشقت سے بھی نہ گھبراتے تھے۔ ان کے پاس صرف ایک چادر یا کمبل ہوتا بمشکل انھیں سر سے پاؤں تک ڈھانپ سکتا تھا۔ منصب خلافت پر متمکن ہونے کے باوجود انھیں جو مراعات اور سہولتیں حاصل ہو سکتی تھیں' انھوں نے انھیں کبھی اپنے لیے استعمال نہ کیا بلکہ وہ خود سراسر سادہ اور قناعت پسندی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

دوسروں کی پرواہ۔ شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب "ازالتہ الخفا" میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ "ایک بار کسی شخص نے حضرت علیؓ کی خدمت میں پھل کی بھری ہوئی ٹوکری ہدیہ بھیجی۔ آپ نے ابھی وہ ٹوکری لی ہی تھی کہ حضرت امام حسن اور امام حسین نے ٹوکری میں سے ایک ایک پھل لے لیا۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے دونوں بیٹوں کے ہاتھوں سے پھل چھین کر دوبارہ ٹوکری میں رکھ دیئے' اور پھر وہ پھل حقدار لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ اگرچہ یہ ایک معمولی واقعہ ہے لیکن اس میں اپنی پیاری اولاد کے حوالے سے بہت بڑی قربانی اور دوسرے لوگوں سے ہمدردی کا بہت بڑا سبق ملتا ہے۔"

اپنے پورے عہد خلافت میں حضرت علیؓ نے مال و متاع کی ہوس کو نزدیک نہ پھٹکنے دیا۔ وہ ارتکاز دولت کے شدید مخالف تھے۔ کیونکہ اس طرح وہ سمجھتے تھے کہ عوام الناس کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اس لیے انھوں نے ارتکاز دولت سے پرہیز ہی کیا۔

دیگر متضاد حوالوں کے باوجود حضرت علیؓ کی مالی حالت کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ تنگ دستی کے عالم میں زندگی گزارتے رہے۔ خلافت کی موجودگی میں بھی انھیں محنت مزدوری کرنا پڑتی تھی۔ ان کے گھر کے حالات اس قدر پتلے تھے کہ انھیں اپنی تاریخی تلوار کو بھی سر بازار فروخت کرنا پڑا۔ بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی تلوار فروخت کر کے تن ڈھانپنے کے لیے کپڑے خریدے تھے۔

فیاضی کا ایک واقعہ۔ لیکن اس غربت اور کسمپرسی کے عالم میں بھی وہ سب سے بڑھ کر سخی اور فیاض تھے۔ کبھی سوالی کو خالی ہاتھ نہیں بھیجتے تھے۔ ایک واقعہ بتایا جاتا ہے کہ حضرت علی نے ایک رات کسی باغ میں مزدوری کر کے معاوضے کے طور پر کچھ غلہ حاصل کیا۔ صبح کو آ کر اسی غلے میں سے کھانا پکایا تو ایک سائل نے کھانا مانگ لیا۔ اس پر وہی پکا پکایا کھانا حضرت علیؓ

Marfat.com

نے سائل کو دے دیا۔ دوسری رات پھر مزدوری کی۔ اگلی صبح پھر سائل نے کھانا مانگ لیا۔ اور اسے کھانا دے دیا گیا۔ تیسری رات بھی حضرت علیؓ نے مزدوری کر کے غلہ حاصل کیا اور تیسری صبح بھی کسی سائل نے کھانا مانگ لیا تو حضرت علیؓ نے وہ پکا پکایا کھانا سائل کو دینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کی اور خود تینوں دن بھوکے رہے۔ یہ ایثار اور فیاضی صرف حضرت علیؓ ہی کا حصہ تھی۔

دولت کی تقسیم۔ بتایا جاتا ہے کہ امیر معاویہ نے اپنے صوبے میں بیت المال میں سے بہت سی رقم اپنے عزیزو اقارب اور دیگر کئی پسندیدہ افراد میں تقسیم کر رکھی تھی۔ حضرت علیؓ اس روش کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے' اس لیے دولت کی تقسیم کے حوالے سے انھوں نے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کا طریقہ اور روش اختیار کی' اس طرح انھوں نے دولت کو صرف ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کیا۔ حضرت علیؓ کے اس منصفانہ عمل کے باعث عوام الناس ان کے گرویدہ ہو گئے تھے اور وہ دولت کی غیر مساوی تقسیم کو ناپسند کرنے لگے تھے۔ اگرچہ حضرت علیؓ کو دولت کی تقسیم کے حوالے سے کئی طرح کی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود انھوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے سرمو انحراف نہ کیا۔

انتظامی امور پر نظر۔ خلافت کے انتظامی امور کی بجا آوری میں حضرت علیؓ بڑے سخت گیر اور اصول پسند تھے۔ وہ ریاکاری' رو رعایت اور اقربا پروری کے شدید مخالف تھے۔ وہ اپنے عاملوں اور گورنروں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے ایسا نظام وضع کر رکھا تھا کہ گورنروں کے اعمال و افعال سے وہ ہمہ وقت باخبر رہتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے ایک بار ان کے چچا زاد بھائی' گورنر بصرہ جناب ابن عباسؓ نے بیت المال سے کچھ رقم اپنے ذاتی خرچ کے لیے لے لی تھی۔ اس امر کی جب حضرت علی کو اطلاع ملی تو انھوں نے بطور خلیفہ حضرت ابن عباس سے باز پرس کی' تو حضرت ابن عباس اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ فوری طور پر بصرہ سے مکہ پہنچے اور صورت حال کی وضاحت کی۔ اس واقعہ سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت علیؓ انتظامی امور میں اپنے کسی عزیز کو بھی کوئی رو رعایت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

اسلامی سلطنت کے انتظامی امور کو فعال اور بہتر بنانے کے لیے انھوں نے چند ایک گورنروں کو فوری طور پر معزول کر کے ان کے بجائے نئے اور زیادہ ایماندار اور فعال گورنروں کا تعین کیا۔ اس حوالے سے انھوں نے حضرت عمر فاروقؓ کی پالیسیوں پر عمل کیا اور انھی کی متعارف کرائی ہوئی پالیسیوں کو جاری رکھا۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے خلافت کے تمام رکارڈ اور دستاویزات کی حفاظت کے لیے ایک علیحدہ اور جداگانہ محکمہ "صاحب الشرط" بھی خصوصاً قائم

Marfat.com

کیا۔ اس طرح انھوں نے اپنے عہد میں محافظوں یعنی پولیس کے فرائض کی بھی واضح طور پر ترتیب کردی تھی۔ یہ امور ان کی عوامی پالیسیوں کے بھی غماز تھے۔

عسکری انتظامات۔ حضرت علی چونکہ خود بھی اسلام کے بہت بڑے جرنیل تھے' اس لیے انھوں نے سلطنت اسلامیہ کی حفاظت اور دفاع کے لیے کئی اہم اقدام اٹھائے۔ مسلمان مجاہدین نے حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں بھی توسیع سلطنت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ جن صوبوں اور علاقوں میں شورشوں اور بغاوتوں کا غلغلہ رہا' انھیں مجاہدین نے فرو کیا۔ پھر کابل اور سیستان کی بغاوتوں کو فرو کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے کونکان (یعنی براعظم پاک و ہند میں بمبئی کے ساحلوں) پر حملوں کا سلسلہ شروع کرایا۔

شامی سرحدوں پر چونکہ دشمن کے حملوں کا مستقل خطرہ موجود تھا' اس لیے حضرت علیؓ نے شام کی سرحدوں کی خصوصی حفاظت کے انتظامات کیے۔ اور کئی چھاؤنیاں اور چوکیاں تعمیر کرائیں۔ اسی طرح انھوں نے ایرانی سرحدوں کو بھی اس قدر مضبوط اور مستحکم بنا دیا تھا کہ انھیں اس جانب سے کسی طرح کا کوئی خطرہ نہیں تھا بلکہ ایران سے تو دیگر اسلامی فتوحات کے سلسلوں کا بھی آغاز ہو چکا تھا۔

امتیازی فضائل۔ حضرت علیؓ کے فضائل پر قریباً تمام ہم عصر مورخین نے بجا طور پر لکھا ہے۔ اس حوالے سے المسعودی نے لکھا ہے کہ "اگر اسلام کے پہلے فرزندوں میں سے کسی کا نام سب سے پہلا اور امتیازی ہے' اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی رشتہ دار اور ساتھ کا ذکر ہو' اگر ایمان اور تقویٰ کے حوالے سے کسی کا نام سب سے پہلے لیا جائے' اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھنے والے اور جاں نثار غمخواروں میں کسی کا رتبہ سب سے بلند ہے' اگر اپنی ایمانداری' حلیمی اور نرم دلی میں کسی کا سب سے پہلے نام ہو گا' اگر کسی کو شرع محمدی میں سب سے زیادہ وقعت اور دسترس حاصل تھی' اور اسی طرح جو تمام لوگوں میں اپنی علمی اور تعلیمی حیثیت میں ممتاز اور افضل تھا تو وہ شخص بلاشبہ حضرت علیؓ ہی تھے"۔

شاہ ولی اللہ نے ازالتہ الخفا میں حضرت علیؓ کے بے شمار فضائل کا ذکر کیا ہے اور ایک مقام پر لکھا ہے کہ "شجاعت و بہادری' استحکام و قوت' کردار و عمل کی پختگی' وفاشعاری اور حلیمی اور رحیمی اور انسانیت نوازی کے اوصاف کو دیکھا جائے تو ہمیں وہ تمام اوصاف حضرت علی بن ابی طالب میں یکجا دکھائی دیتے ہیں' اس اعتبار سے حضرت علی کا مقام و مرتبہ سب سے بلند اور امتیازی ہے"۔

Marfat.com

مورخین نے حضرت علیؓ کی شہادت کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کے شہادت کے ساتھ ہی خلفائے راشدین کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔اس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم ساتھیوں نے اپنے کردار و عمل اور پیروی رسالت میں جس اسلامی حکومت راشدہ اور خلافت کا آغاز کیا تھا وہ حضرت علیؓ کی شہادت کے ساتھ انجام کو پہنچ گئی تھی۔ ان چاروں خلفائے راشدہ کے بعد کوئی دوسرا مسلمان خلیفہ ان کے مقام و مرتبہ کو نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ بعد میں مسلمان خلفاء حکمرانی تو کرتے رہے لیکن وہ فقہ اور تصوف اور چند ایک دیگر عدل و انصاف کے قرآنی اصولوں کے بغیر دوسرے امور میں خلفائے راشدین کے معیار اور مقام کو نہ چھو سکے۔

ویسے بھی خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور خلافت میں اپنے منصب کو بادشاہت اور آمریت کی سوچوں سے محفوظ رکھا تھا۔ چاروں خلفائے راشدین صوفی منش درویش اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح طور پر جانشین تھے۔ انھیں جاہ و حشمت اور اقتدار و منصب سے کوئی سروکار نہیں تھا' وہ خدمت دین اور خدمت خلق کے بے پناہ جذبات سے سرشار تھے۔ دنیاوی رنگینیاں' سلطنت اسلامیہ کی وسعتیں اور منصب کی رفعتیں انھیں تعلیمات نبوی سے برگشتہ نہیں کر سکی تھیں۔ ان خلفائے راشدین نے شاہانہ خلعتوں' زرق برق نفیس اور مرصع ملبوسات کے بجائے سادہ اور کھردے لباس پسند کیے۔ شاہی محلات کے بجائے کٹیاؤں کو اپنا مسکن بنایا عدل و انصاف اور انسانی رواداری کی وہ مثالیں پیش کیں کہ پوری تاریخ عالم ان پر نازاں اور فخر کناں ہے۔ ان خلفا نے اپنی زندگی پہرے داروں اور حفاظتی دستوں سے بے نیاز ہو کر اور عام لوگوں کے اندر رہ کر گزاریں۔ ضرورت مندوں اور بے سہارہ لوگوں کی خود اپنے ہاتھوں سے خدمت کی اور عوام الناس کے لیے ہی انھوں نے اپنی جانیں وقف رکھیں۔ ان خلفائے راشدین کے دل میں خوف خدا موجود تھا' وہ اپنے پروردگار کی رضا کے طلب گار تھے اور لوگوں کی خدمت گزاری کے لیے تن من دھن سے ہمہ وقت تیار اور مستعد رہتے تھے۔

Marfat.com

باب-۲

حضرت علیؓ بن ابی طالب

نام و نسب- حضرت علیؓ کا نام ابوالحسن بھی ہے اور یہی کنیت بھی' ابو تراب بھی کنیت شمار کی جاتی ہے- حضرت علیؓ کے والد کا نام ابو طالب ہے' اور والدہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت اسد ہے' ان کا سلسلہ نسب علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب ابن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مروہ بن کعب بن لوی- چونکہ جناب علی کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی' اس لیے نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے-

حضرت علیؓ کے والد جناب ابوطالب بن عبدالمطلب مکہ کے ذی اثر اور متمول افراد میں سے تھے- جناب ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے- اس طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی وفات کے بعد جناب ابوطالب ہی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اور کفالت کی تھی-

جناب ابو طالب اس دور میں مکہ کے معززین اور ذی اثر لوگوں میں سب سے اہم تھے- ان کے گھر میں رجب کے مہینے میں سن ۳۰ عام الفیل یعنی ۶۰۰ء میں حضرت علی پیدا ہوئے- حضرت علیؓ کی پیدائش کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر قریباً تیس سال تھی- اور ان کی وابستگی جناب ابوطالب ہی کے ساتھ تھی- بتایا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے-

کاشانہ نبوی میں- اپنی شادی سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح کے کاروبار میں جناب ابوطالب ہی کے ساتھ تھے' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کی اس سرپرستی پر مطمئن اور خوش تھے- کیونکہ جناب ابوطالب نے اپنے بھتیجے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت اور اصول تجارت میں خاصا ماہر کر دیا تھا' اور ان میں اس قدر اعتماد پیدا کر دیا تھا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تن تنہا بھی کسی طرح کا سفر اور تجارت کر سکتے تھے-

اسی اثناء میں جناب ابوطالب ہی کی وساطت سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی محترمہ خدیجتہ الکبریٰ سے ہو گئی تھی- خدیجتہ الکبریٰ سے شادی کے باوجود حضرت رسول

Marfat.com

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا جناب ابو طالب ہی کے سب سے زیادہ قریب اور جلیس رہتے تھے۔ اس لیے حضرت علی کی پرورش میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بدستور شامل رہے۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے بچپن ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور الفت رکھنے لگے تھے۔ اور ان کا اکثر وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موانست ہی میں گزرتا تھا۔ اس لیے اللہ کے رسول کا اسوہ حسنہ اور مکارم اخلاق کا پرتو شروع دن ہی سے پڑنے لگا تھا۔

قبول اسلام۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ ابھی نو دس سال ہی کے تھے کہ انھوں نے محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے عام لوگوں کی روایتی ڈگر سے ہٹ کر زندگی کرتے ہیں۔ اسی اثناء میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان بھی کر دیا تھا' اور اس طرح وہ گھر میں بھی اپنے ایک سچے اور خالق اللہ کی عبادت کرنے لگے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کی عمر ابھی صرف دس سال تھی کہ "ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت خدیجتہ الکبریٰ کو کسی طرح کی عبادت میں مصروف دیکھا اس موثر نظارے نے آپ پر بہت اثر کیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے اپنے طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا' آپ دونوں کیا کر رہے تھے! حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی۔ "فطرت سنور چکی تھی۔ توفیق الٰہی شامل ہوئی۔ اس لیے غور و فکر کی ضرورت پیش نہ آئی اور اعلان اسلام فرما دیا"۔ یہاں تک بھی بتایا جاتا ہے کہ اپنے اسلام قبول کرنے کے اس عمل خیر میں نوخیز حضرت علیؓ نے اپنے والد محترم جناب ابو طالب کی رائے اور اجازت کا انتظار بھی نہ کیا۔

حضرت علی کے اسلام قبول کرنے سے کچھ عرصہ پہلے کا ایک واقعہ اس حوالے سے بھی اہم ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جناب ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تحویل اور سرپرستی میں لے لیا تھا لیکن پھر جب کئی دیگر اسباب اور کثیر العیال ہونے کے حوالے سے جناب ابو طالب کے مالی حالات مخدوش ہوئے اور ان کے مالی حالات بھی زوال پذیر ہونے لگے تو اس وقت اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی مدد کرنے کی خاطر حضرت عباس سے مشورہ کر کے یہ پیش کش کر دی تھی کہ آپ حضرت علیؓ کی ہر طرح کی پرورش اور کفالت کا ذمہ لینے کے

Marfat.com

لیے تیار ہیں۔ گویا یوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن ہی سے جناب علی بن ابی طالب کو اپنی نگرانی اور کفالت میں لے لیا تھا' اور اسی طرح حضرت عباس نے جناب جعفر کی ذمے داری اٹھا لی تھی۔ گویا اس طرح حضرت علی اب بدلے ہوئے حالات کے تحت کاشانہ نبوی میں آ چکے تھے۔ اس کے بعد سے تو حضرت علی نے براہ راست نبوت کی تجلیات اور برکات کو دیکھنا اور محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔

حضرت علیؓ کے نوجوانی ہی میں قبول اسلام کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ جب اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کی نوعمری کی سطح پر دعوت اسلام دی تو وہ آغاز میں تو سوچ بچار میں پڑ گئے۔ کیونکہ یہ ایک سرا سر تازہ اور نئی دعوت اور ایک انوکھی آواز تھی۔ اس کا تو ابھی چرچا بھی نہیں ہوا تھا' اور تو اور ابھی تو جناب ابوطالب کہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت بڑا سہارا تھے' انھوں نے بھی اس دعوت کو قبول نہیں کیا تھا۔ لہٰذا اس پس و پیش کی کیفیت میں سے حضرت علیؓ کو نکالنے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ مشورہ دے دیا تھا کہ' اس امر پر اپنے دل و دماغ سے غور فکر کر لو۔ اور اگر میری دعوت تمھیں سچ اور بہتر محسوس ہو تو اسے ضرور مان لو۔ بتایا جاتا ہے کہ اس وضاحت کے بعد تو حضرت علیؓ نے کوئی تامل نہ کیا اور فوراً اسلام قبول کر لیا۔

جناب ابوطالب کا کردار۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے اپنی بیماری کے دنوں ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی تحویل اور سرپرستی میں دے دیا تھا۔ آغاز میں تو جناب ابو طالب کی تجارت اور کاروبار خاصا اچھا تھا' لیکن چند ایک قحط سالیوں اور زیادہ اولاد کے باعث انھیں مشکل وقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مجموعی طور پر جناب ابوطالب کا ایک سادہ سا گھر تھا کیونکہ ان تک ان کا موروثی ورثہ نہیں پہنچ سکا تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے بھتیجے کے لیے سب کچھ تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جلد ہی اپنی تجارت میں اپنا ساتھی بنا لیا تھا اور اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت کے شائستہ اور اعلیٰ اصولوں سے بھی متعارف کرا دیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عربوں کی ثقافتی اور سماجی زندگی سے بھی بہرہ ور کراتے رہتے تھے۔ جناب ابو طالب نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائی عہد میں عکاظ کے میلوں اور ثقافتی اجتماعات سے بھی متعارف کر رکھا تھا۔ جناب ابوطالب کے بیٹے بیٹیوں کی تعداد سات آٹھ تھی' اس کے باوجود وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں خصوصی توجہ دیتے رہے تھے۔ جناب ابوطالب کی کچھ بارانی اور نیم پہاڑی اراضی بھی تھی'

Marfat.com

لیکن اس سے پیداوار قابل ذکر نہیں تھی۔ اس سارے پس منظر کے ہوتے ہوئے بھی انھوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی مکہ کی قریباً سب سے متمول اور مالدار خاتون حضرت خدیجہ سے کر دی تھی۔ گویا حضرت علیؓ کی پیدائش سے پانچ سال پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت خدیجہ سے ہوئی۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہ کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی بات چیت میں جناب ابوطالب نے اہم کردار ادا کیا، اور آپؐ کے نکاح کا خطبہ بھی ابوطالب ہی پڑھا تھا۔

پھر اس کے بعد بعثت نبوی تک جناب ابوطالب نے بالواسطہ طور پر حضور نبی اکرم سے اپنا مسلسل اور مستقل رابطہ رکھا۔ بلکہ اس دور میں جناب ابو طالب سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی کفالت اور سرپرستی کی ذمے داری لے لی تھی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان نبوت کے بعد جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، ان میں جناب ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور ساتھ دیا۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد مالی حالت خاصی بہتر ہو گئی تھی، لیکن اس کے باوجود بھی اخلاقی اور خاندانی سرپرستی کے اعتبار سے جناب ابوطالب کا مقام و مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بڑا محترم تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ جناب ابوطالب اپنی وقتی مالی مجبوریوں کے باوجود بھی اہل مکہ کی مالی امداد کرتے رہتے تھے۔ اسی اثناء میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی تحویل اور سرپرستی میں لے لیا تھا۔ اس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کی موجودگی میں اپنی اولاد نرینہ کی مفارقت کے غم کو بھی ہلکا ہوتا ہوا محسوس کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد جب حضرت علیؓ نے عین جوانی ہی میں دعوت اسلام کو قبول کر لیا تھا تو پھر کچھ عرصہ تک تو صرف اللہ کا رسول اور آپؐ کی اہلیہ خدیجہ اور چچا زاد بھائی حضرت علیؓ ہی عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔

ایک تاریخی مکالمہ۔ ایک واقعہ یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ، ایک دن یہ تینوں اللہ کی عبادت میں مصروف تھے کہ انھیں جناب ابو طالب نے دیکھ لیا۔ یہ وہ وقت ہے کہ شاید ابھی جناب ابوطالب اسلام اور اسلام کی تعلیمات سے واقف نہیں ہوئے تھے۔ اس صورت حال میں جناب ابوطالب نے دریافت کیا کہ "بھتیجے، تم یہ کس مذہب کی تقلید کر رہے ہو"؟۔

اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "یہ وہ مذہب ہے جو اللہ کا دین ہے۔ فرشتوں کا دین ہے اللہ کے نبیوں اور رسولوں کا بھی یہی دین ہے۔ اور ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم کا بھی اسی دین پر قیام تھا۔ اور ہاں، اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے اسی دین کی تبلیغ و

Marfat.com

ترویج کے لیے بھیجا ہے"۔ اس کے ساتھ ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر اپنے چچا ابوطالب کو بھی دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دے دی۔ اس امر کا اظہار بھی فرما دیا کہ آپ اس دین کی ترویج میں میرا ساتھ دیں اور میرے ساتھ تعاون بھی کریں۔

لیکن بتایا جاتا ہے کہ اس دعوت پر جناب ابوطالب نے بڑے ہی دو ٹوک الفاظ میں اور قدیم سامی وقار و عظمت کے ساتھ جواب دیا کہ "بھتیجے! میں اپنے باپ دادا کے مذہب سے نہیں ہٹ سکتا۔ میرے لیے اس قدیم مذہب کو چھوڑنا مشکل ہے۔ لیکن میں تمھیں اتنا یقین ضرور دلاتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں' کوئی شخص تمھیں کسی طرح کی گزند نہیں پہنچا سکے گا"۔

اس کے ساتھ ہی جناب ابوطالب نے اسی وقت اپنے بیٹے علیؓ سے بھی اس دین کے بارے میں پوچھا تو اس پر حضرت علیؓ نے بتایا کہ "ابو جان! میں اللہ اور اس کے نبی پر ایمان لا چکا ہوں اور انھی کی پیروی کرتا ہوں"۔ اس واضح اور غیر مہمل جواب پر حضرت علی کے والد جناب ابوطالب نے اپنے بیٹے کو کھلے دل سے اسلام پر کاربند اور قائم رہنے کی اجازت دے دی۔

اسلام کو قبول کر لینے کے بعد حضرت علیؓ نے اب تو مستقل طور پر حضور نبی اکرمؐ کے ساتھ ہی رہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ابھی نو عمر ہی تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی محفلوں' اور خفیہ یا اعلانیہ دینی مجلسوں اور عبادتوں میں بھی شامل اور شریک رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور دین محمدی کے ازلی دشمنوں نے حضور نبی اکرم کے ساتھ ساتھ حضرت علی کو بھی برا بھلا کہنا اپنا معمول بنا لیا تھا۔

رسولؐ کا ساتھی۔ بعثت کے چوتھے سال میں جب ابھی حضرت علی کی عمر چودہ یا پندرہ سال ہو گی۔ اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کا حکم ہوا کہ اپنے عزیزوں' لواحقین اور دیگر رشتے داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے' اور انھیں اللہ کے دین متین کی جانب دعوت دی جائے۔ اللہ کے اس حکم پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور پھر ان سے فرمایا "اے بنی مطلب! میں تمھارے لیے تمھارے سامنے دنیا کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں۔ تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے۔ اور تم میں سے کون میرا معاون اور مددگار بنتا ہے۔ تو اس کے جواب میں صرف ایک آواز آئی کہ گو میں عمر میں چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں کمزور ہیں' تاہم میں آپ کا معاون اور مددگار اور قوت بازو بنوں گا"۔ یہ آواز حضرت علی بن ابی طالب کی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کو تین دفعہ دوہرایا اس کے جواب میں ہر مرتبہ

Marfat.com

حضرت علیؓ ہی کی آواز ابھری۔ اس صلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ اعزاز بخشا کہ "تم میرے وارث اور بھائی ہو" یہ صرف دعویٰ ہی نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس سے بھی بڑھ کر تھا۔

دین اسلام کی خاطر نوجوانی ہی میں حضرت علیؓ کی اس قدر وارفتگی اور جاں نثاری کے جذبے کو دیکھتے ہوئے اب تو دشمنوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ کا بھی ٹھٹھہ اور تمسخر اڑانا شروع کر دیا تھا' لیکن اس صورت حال میں بھی حضرت علیؓ ہمہ وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ وہ آپ کے وعظ و نصیحت کو بڑی چاہت اور محویت کے ساتھ سنتے تھے۔

ابو طالب کا مقام۔ اسی اثناء میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدستور اپنی تبلیغ اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھا' اور حضرت علیؓ بھی آپؐ کے شانہ بشانہ ساتھ رہے۔ قریش نے چونکہ جذبہ مخاصمت میں اپنی آنکھوں پر ڈھٹائی کی پٹی باندھ رکھی تھی' اس لیے وہ آپؐ کی باتوں پر کان ہی نہ دھرتے بلکہ تمسخر اور تضحیک کرنے میں ہی لگے رہتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اہل مکہ نے مٹھی بھر مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھانے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ان لوگوں کی مخاصمانہ کارروائیوں کی انتہا ہو گئی تھی۔ اس موقع پر بھی چونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی میں لوگوں کو جناب ابو طالب دکھائی دیتے تھے۔ اور پھر حضرت علیؓ کے وہ والد بھی تھے۔ اس لیے وہ دشمن جناب ابو طالب کے پاس آ کر گلہ شکوہ کرتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بتوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے بھتیجے کو اس عمل سے روکیں۔ اور ان کے بتوں کے تقدس کا بھرم رکھیں۔ لیکن جناب ابو طالب ان لوگوں کو بڑی دانش مندی اور حلیمی کے ساتھ ٹال دیا کرتے تھے۔

اس زمانہ ادبار و آلام میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تبلیغ و تقریر میں لگے رہے۔ اب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں شعلہ نوائی اور جذبائیت بھی پیدا ہو چکی تھی۔ اس موقع پر مخالفین نے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے گھر کعبہ سے بھی نکال دیا تھا۔ اور پھر وہی لوگ ایک اجتماع کی صورت میں آپ کے چچا جناب ابو طالب کے پاس آئے اور برملا ان سے کہا کہ "اے ابو طالب! ہمیں آپ کی بزرگی اور قریش میں آپ کے مقام کا لحاظ ہے۔ لیکن آپ کا بھتیجا ہمارے آباؤ اجداد اور ان کے بتوں کی شان میں گستاخیاں کرتا رہتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اسے ان نازیبا حرکات سے روکا جائے بصورت دیگر تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی"۔

Marfat.com

اس بیان کے بعد قریش کے سردار وہاں سے چلے گئے۔ لیکن جناب ابوطالب کے لیے یہ ایک بڑا ہی کٹھن مرحلہ تھا۔ کیونکہ نہ تو وہ اپنے بھتیجے کی سرپرستی کو چھوڑ کر انھیں تنہا چھوڑنا چاہتے تھے اور نہ ہی وہ اپنے خاندان قریش سے کٹ کر رہ سکتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے یہ سارا واقعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیا تھا۔

ایک تاریخ ساز خطاب۔ تاریخ میں بتایا جاتا ہے کہ اسی موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی ہی جرات' بے باکی اور دو ٹوک انداز میں وہ تاریخ ساز اور پروقار الفاظ کہے کہ جو برملا پیغمبرانہ خاصا تھے۔ آپ نے اس موقع پر اپنے چچا سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے میرے چچا جان! اگر یہ لوگ میری ایک ہتھیلی پر سورج اور دوسری پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو میں پھر بھی اپنے ارادے سے باز نہیں آؤں گا۔ میں اس وقت تک اس کام میں لگا رہوں گا جب تک میں زندہ ہوں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان بلند ارادوں کو جان کر اور سچی لگن کو محسوس کر کے جناب ابوطالب نے کہا "اے میرے بھتیجے! میں نے تمھارے ارادوں کو جان لیا ہے۔ اس لیے تم جو چاہو کرتے رہو' میں کبھی تمھارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا"۔

اہل مکہ اس ساری صورت احوال کے باوجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی کوششوں سے روکتے رہے' اب ان لوگوں نے ابوطالب سے درخواست کی کہ وہ ایک شخص جس کا تعلق خاندان مخزوم سے ہے' اس کے بدلے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد کر دیں۔ لیکن جناب ابوطالب نے ان بدخواہ لوگوں کی اس پیش کش کو بھی ٹھکرا دیا تھا۔ اس طرح اب تو قریش ابوطالب کے اس طرح کے رویے سے بہت مایوس ہونے لگے تھے۔ لہٰذا اب انھوں نے اپنی نئی حکمت عملی کے تحت مسلمانوں پر ظلم و ستم اور دھمکیوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ جناب ابوطالب خود بھی قبیلہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ایک باعزت اور محترم رئیس تھے' اور اس کے ساتھ ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے نزدیکی قرابت دار اور سرپرست بھی تھے' اس لیے قریش کے لوگوں نے انھیں اس حیثیت سے بھی یہ باور کرانا شروع کر دیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے کو دشمنوں کی عداوت اور مخالفتوں سے بچائیں۔

لیکن جناب ابو طالب نے دشمنان اسلام کی ان تمام تر کارروائیوں اور دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور وہ بدستور اپنے بھتیجے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتے رہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جناب ابوطالب کی محبت اور پشت پناہی نے اب تو جناب علیؓ کے کردار و عمل میں بھی بڑا جوش اور جذبہ پیدا کر دیا تھا' اور حضرت علیؓ نے یہ بھی

Marfat.com

محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ ان کے والد ابوطالب محض اپنی خاندانی ضد اور وقار کی خاطر دین اسلام کو قبول کرنے سے نالاں ہیں' حالانکہ ان کا وجود اور سرپرستی سراسر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے حق میں بہتر ہی ہے۔

تربیت علی کاشانہ نبوی میں - بہر صورت اس سارے پس منظر میں یہ عیاں ہے کہ حضرت علیؓ کے والد جناب ابوطالب ہر حال اور ہر پہلو سے اللہ کے رسول کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے لخت جگر حضرت علیؓ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل اور سرپرستی میں دے دیا تھا۔

متعدد تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کی کعبہ میں ولادت کی خبر اور بشارت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سنائی تھی۔ اور پھر حضرت علیؓ کو سب سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نور ہی نے اپنی گود میں لیا تھا' اور حضرت علیؓ کو گھٹی بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دی تھی۔ بعض روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو سب سے پہلا غسل ولادت بھی حضرتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دیا تھا۔ حضرت علی کی والدہ اور والد جناب ابوطالب نبی رحمت سے اس قدر متاثر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تکیہ کرتے تھے کہ انھوں نے اس نومولود بچے کا نام علی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر رکھا تھا۔ ان امور سے یہ واضح طور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی زندگی کے پہلے ہی دن سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دخل شروع ہو چکا تھا۔ پھر جب حضرت علیؓ کی رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم و تربیت ہو رہی تھی تو اس وقت بھی اللہ کے رسولؐ اپنی تعلق داری کا اظہار فرماتے رہتے تھے۔ پھر جب حضرت علیؓ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو اس وقت سے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوطالب کی رضامندی کے ساتھ' انھیں اپنی کفالت اور سرپرستی میں لے لیا تھا۔ یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب حضور پر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ سال ہوئی تھی تو اس وقت آپؐ کے چچا جناب ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کفالت میں لیا تھا' اور اب جب حضرت علیؓ کی عمر چھ سال ہوتی ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی کفالت اور سرپرستی میں لے لیا۔ "گویا یہ ایک طرح سے صلہ تھا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوطالب سے فرمایا"۔

گویا اس طرح سے چھ سال کی عمر کے بعد حضرت علیؓ براہ راست حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی اور سرپرستی میں آ گئے تھے۔ اس کے بعد سے تو انھوں نے بلاواسطہ طور

Marfat.com

پر رسالت ماب سے اکتساب فیض کرنا شروع کر دیا تھا۔ بعض حوالوں میں دس گیارہ سال کی عمر لیکن وقیع حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے تیرہ سال کی عمر میں اسلام کو قبول کر لیا تھا۔ اس دور اور اس نوعمری میں اسلام قبول کرنے والے حضرت علیؓ ہی سب میں چھوٹی عمر کے نوجوان تھے۔ اور یقیناً یہ ایک بہت بڑا شرف تھا۔

اول المومنین۔ اول اول ایمان لانے والوں اور مشرف بہ اسلام ہونے والوں میں اس نوجوان علی مرتضٰی کا رتبہ بڑا امتیازی دکھائی دیتا ہے۔ کم سنی کی عمر "لیکن پختہ فہمی' فراست اور حقیقت اسی میں بہتوں سے آگے ہے۔ جسمانی طور پر مرحلہ بلوغ نہ طے کیا ہو لیکن عقل بالغ کی پختگی رکھتا ہے۔ اگر بچوں کی طرح اسے پھسلا لینا ممکن ہوتا تو باپ ابوطالب زیادہ آسانی سے پھسلا کر اپنی ملت میں رہنے پر آمادہ یا مجبور کر سکتا تھا' لیکن یہ اپنے بچپنے میں بھی اسی طرح سمجھ بوجھ کر اپنے عمزاد بھائی کی صداقت پر ایمان لاتا ہے جس طرح کوئی سن رسیدہ پختہ کار ایمان لا سکتا ہے۔ یہ تو اپنی کم سنی میں اسلام قبول کرنے پر یوں فخر کرتا ہے کہ' میں نے تو اسلام قبول کرنے میں تم سب پر اس وقت شرف اولیت حاصل کیا ہے کہ جب میں کم سن تھا۔ اور بالغ بھی نہ ہوا تھا"۔

یہ علی مرتضٰی ہیں جو گویا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پلے ہیں۔ عمزاد بھائی ہیں۔ اندر باہر ہروقت ساتھ ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں۔ اگر حضور کی پاکیزہ زندگی اور اعلیٰ کرداری کا کوئی گوشہ بھی شک و شبہ کی گنجائش پیدا کر سکتا تو انھیں کیا پڑی تھی جو ایک شفیق باپ کی ملت کو چھوڑ بیٹھے اور ساری کائنات کو اپنا دشمن بنا لیتے اگر طفلی کی ناپختہ کاری کی وجہ سے رسمی طور پر ایمان لائے ہوتے تو عقلی پختگی آچکنے کے بعد انھیں اپنی راہ بدل لینے سے کون سے چیز روک سکتی تھی؟

"حقیقت یہ ہے کہ علی مرتضٰی کا ایمان اس وقت بھی بڑے سے بڑے فرزانے کے ایمان کے برابر تھا اور یقیناً ان کا شمار بھی حضرت خدیجہ اور جناب ابوبکر صدیق کی طرح اول المومنین ہی میں ہے' اور ان کا اسلام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و بلند کرداری کی سب سے بڑی شہادت ہے"۔

ابو طالب سے سوال جواب۔ حضرت علیؓ کے والد محترم مکہ کے سرداروں میں ممتاز مقام رکھتے تھے' اس لیے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں زیادہ شدت اور تسلسل پیدا کر لیا' تو اس وقت قریش کے بااثر لوگوں کا ایک وفد جناب ابوطالب کے پاس پہنچا۔ اس وفد میں عتبہ بن ربیعہ' شعبہ' ابوسفیان' عاص بن وائل' عاص بن ہشام'

Marfat.com

ابو جہل ' ولید بن مغیرہ ' وغیرہ شامل تھے۔ اس وفد نے ابوطالب سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے برادر زادے کو اس "نئے فتنے" کی اشاعت و تبلیغ سے روک دیں۔

وفد کے رخصت ہو جانے کے بعد حضرت علیؓ کے والد جناب ابوطالب نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بزرگانہ انداز و وقار اور مشفقانہ محبت سے کہا "جان عم! مجھ پر اتنا بوجھ تو نہ ڈالو جو میری برداشت سے باہر ہو۔ دیکھو بتوں اور معبودوں کی اہانت سے ساری کی ساری قوم ناراض ہو گئی ہے' کیوں نہ تم اپنی موجودہ تبلیغ روک دو"۔

ابوطالب کے اس عندیہ پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مختصر سا جواب دیا وہ ہمیشہ مقام نبوت کو ظاہر کرتا رہے گا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا میں اس فرض کی ادائیگی سے باز نہیں رہ سکتا جس کے لیے میں خدا کی طرف سے مامور ہوں"۔ اس دور میں کہ جب جناب ابو طالب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آخری دنیوی سہارے کی حیثیت رکھتے تھے' اس وضع کا دو ٹوک جواب دینا بہت بڑی ہمت اور اللہ پر بھروسے کا کام تھا۔ لیکن اس چھوٹے سے جملے نے ابوطالب کو اتنا متاثر کیا کہ انھوں نے کہہ دیا کہ "اچھا تو تم جو کچھ کر رہے ہو کیے جاؤ' جب تک میں ہوں تمھاری طرف کوئی انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا"۔

شعب ابی طالب۔ اعلان نبوت کے ساتویں سال میں کفار مکہ نے بنی ہاشم کا سماجی مقاطعہ کرنے کی ایک نئی تحریک شروع کی۔ لیکن اس موقع پر بھی حضرت علیؓ کے والد جناب ابوطالب نے تمام ہاشمیوں کو جمع کر لیا تھا۔ اور پھر بہت سا سامان خوردونوش لے کر وہ انھیں لے کر مکہ کے قریب ایک تنگ سی درہ نما گھاٹی میں چلے گئے تھے۔ اس گھاٹی کا نام شعب ہاشم یا شعب ابوطالب تھا' موروثی طور پر یہاں ہاشمیوں ہی کی ملکیت تھی۔ یہ جناب ابوطالب کا بہت بڑا اقدام تھا کہ انھوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ کے سپرد کرنے کے بجائے خود کٹھن حالات میں رہنا قبول کر لیا تھا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ بھی چھوڑنا قبول نہ کیا۔

شعب ابی طالب میں ہاشمیوں اور مسلمانوں نے قریباً تین سال کا عرصہ بڑی ہی کٹھن صورت میں گزارا۔ یہاں پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار ساتھیوں نے ایک دوسرے سے بڑھ کر ایثار و قربانی کا ثبوت دیا۔ اس موقع پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نوجوان ساتھیوں بالخصوص حضرت علیؓ کا کردار عمل بڑا مثالی رہا۔

قبول اسلام سے لے کر واقعہ ہجرت مدینہ تک حضرت علیؓ نے ایک طرح سے بیک وقت اہل قریش کا مخاصمانہ اور عداوتوں بھرا نہایت مکروہ کردار دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اللہ کے

Marfat.com

دین کی تبلیغ و ترویج کی خاطر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت اور بے پناہ لگن دیکھی تھی۔ لیکن ان دونوں انتہا درجے کی کیفیتوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنے والد محترم جناب ابو طالب کے کردار و عمل کو بھی بغور دیکھ اور محسوس کر رہے تھے۔ اس لیے انھوں نے اس ساری صورت حال کو بھانپ لیا تھا کہ ان کے والد چونکہ بنی ہاشم کے مقتدر اور با اثر سرداروں میں سے ہیں' ان میں عربوں کی روایتی شہامت اور بردباری بھی ہے' اور بنی ہاشم میں انھیں جو مقام و مرتبہ حاصل ہے' اس کے بھی کئی سماجی اور روایتی تقاضے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سامی عربوں کی روایات کے بھی علمبردار ہیں۔ لیکن اس سارے تناظر اور تاریخی و موروثی قبائلی تقاضوں کے برخلاف جناب ابوطالب بدستور اپنے بھتیجے کی باضابطہ سرپرستی اور پشت پناہی کرتے رہے۔ یہی نہیں بلکہ حضرت علیؓ نے تو یہ بھی دیکھ لیا اور محسوس کر لیا تھا کہ ان کے والد محترم' حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح کی حفاظت اور پاسداری بھی کرتے رہتے ہیں' اور اہل قریش کی منطق' دباؤ اور سماجی مقاطعے کی کوئی پرواہ نہ کرتے۔ جناب ابوطالب کی بزرگی نے ان کے اندر تحمل' بردباری اور جرات و حوصلہ اور معاملہ فہمی کی بے پناہ صلاحیتیں پیدا کر رکھی تھیں۔ اس لیے انھوں نے ہر سرد گرم میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور ساتھ دیا' یہی نہیں بلکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر طرح کی صعوبتیں اور مصیبتیں جھیلتے رہے۔

بہر صورت جناب ابوطالب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے محسن تھے' شریف النفس اور جاں نثار بزرگ تھے۔ انھوں نے اعلان نبوت کے دسویں سال اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس طرح حضرت علی اپنے محترم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فدا کار و جاں سپار اور بے پناہ الفت رکھنے والے چچا اور سرپرست سے محروم ہو گئے۔ لیکن چونکہ اسی اثناء میں ابن ابی طالب جناب حضرت علی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی اور فرزندی میں آ چکے تھے۔

Marfat.com

باب۔ ۴

ہجرت نبویؐ اور حضرت علیؓ

بنی ہاشم کے افراد اور مسلمانوں نے تین سال شعب ابی طالب میں گزارے لیکن اس دوران میں کفار مکہ اور اہل قریش نے مقاطعہ بنی ہاشم کی جو دستاویز تیار کی تھی، اس وقت، استقامت نبویؐ اور موسمی اور کرمی اثرات نے بالکل ختم کر دیا تھا۔ اس لیے بنی ہاشم کے افراد اور مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس تنگ سی گھاٹی سے اتر کر اپنے اپنے گھروں کو آ گئے تھے۔ اس طرح اللہ کے رسولؐ کو ایک بار پھر اہل مکہ کی سماجی زندگی میں ایک بلند مقام میسر آنے لگا تھا۔ دین اسلام کے پروانے اس شمع محمدیؐ کے گرد پھر سے منڈلانے لگے تھے۔ ایک بار پھر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت داری، سچائی اور صداقت کے گرویدہ ہونے لگے تھے۔ لوگوں کی ہمدردیاں پہلے بھی زیادہ ہو چکی تھیں۔ لیکن اس کے برعکس دشمنان دین کے لیے یہ صورت حال پسندیدہ نہیں تھی۔ انھوں نے اپنی اسلام دشمن اور مخالفت نبویؐ کی کارروائیاں تیز تر کر دی تھیں۔ اور اب تک حضرت علیؓ کے والد جناب ابوطالب بھی فوت ہو چکے تھے۔

اس وقت تک اللہ کے رسولؐ کو مکہ میں دین اسلام کی وعظ و تبلیغ کرتے ہوئے دس گیارہ سال ہو گئے تھے، مکہ کے لوگوں نے آپ پر ہر طرح کے ظلم و ستم اور مصائب آزما لیے تھے، حضرت علیؓ کے والد محترم ابوطالب کی وساطت سے اخلاقی سماجی اور سیاسی دباؤ بھی استعمال کر لیا تھا۔ بنی ہاشم سے مقاطعہ بھی روا رکھا تھا۔ اس لیے اب ان لوگوں کے لیے یہ آخری حربہ رہ گیا تھا کہ وہ اپنی اجتماعی کوششوں سے اس شمع رسالت کو گل کر دیں۔

لیکن اسی اثناء میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے چند ایک وفود کو مشرف بہ اسلام کر کے یثرب کے لوگوں میں دین کی محبت کے بیج بو دیئے تھے۔ اس کے باعث یثرب کے لوگ مکہ کی پہاڑیوں سے طلوع ہونے والے نور کو اپنی وادیوں میں سمیٹنے کے لیے متمنی دکھائی دینے لگے تھے۔ ادھر مکے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دائرۂ حیات تنگ کر دیا تھا، لہٰذا اس ساری صورت حال میں حضور پاکؐ نے اپنے مسلمان ساتھیوں کو مکہ سے ہجرت کر کے

Marfat.com

یثرب چلے جانے کی اجازت دے دی تھی۔
جب مختصر عرصہ ہی میں مسلمانوں کی ایک معتدبہ تعداد یثرب چلی گئی' اور مکہ میں بہت تھوڑے مسلمان رہ گئے تو' اس وقت قریش مکہ نے مشترکہ طور پر ایک منصوبہ بنایا کہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے تاکہ قتل کی ذمے داری کسی ایک پر عاید نہ ہو اور قصاص میں بھی کسی کو نقصان نہ پہنچے۔

شب ہجرت۔ اس وقت مکہ سے تقریباً تمام مسلمان ہجرت کر چکے تھے۔ مشہور صحابہ میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا علی رہ گئے تھے۔ کفار مکہ قریش کا غصہ روز بروز تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ اسی اثناء میں کفار قریش کی ایک چودہ رکنی کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ متعدد قبائل کے پھرتیلے نوجوان مل کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں' اس طرح ان کے قتل کی ذمے داری تمام قبائل میں بٹ جائے گی۔ اس تجویز پر اتفاق ہو گیا اور ایک شب کے وقت کاشانہ نبوت کو خاموشی کے ساتھ گھیر لیا گیا۔

ایک جانب کفار کی یہ مذموم اور بھیانک چالیں تھیں لیکن دوسری جانب اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی اس ساری سازش سے باخبر کر رکھا تھا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تیاری پہلے ہی سے کر لی تھی لیکن خفیہ طور پر۔

جس وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے یثرب کی جانب ہجرت کر رہے ہیں اس وقت حضرت علیؓ کی عمر بائیس تیئس سال کی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت قرابت دار اور قریبی ساتھیوں میں اس وقت ایک حضرت ابوبکر صدیق ہیں اور دوسرے جواں سال حضرت علیؓ۔ اس ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تو یہ شرف حاصل ہو رہا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کے ساتھی بنتے ہیں' ان کی ہم سفری' جاں نثاری کے حوالے سے بہت بڑی سعادت بن جاتی ہے۔ دوسری جانب اللہ کے رسولؐ اپنے قرابت دار چچا زاد بھائی حضرت علیؓ سے اس سے بھی اہم کام لیتے ہیں۔ اس اہم کام میں جان کا پورا خطرہ اور ایثار و حوصلہ کا بھی مکمل دخل ہے۔

بہر صورت محاصرے کے عین درمیان میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکل کر خاموشی کے ساتھ اپنے رفیق ابوبکر کے گھر پہنچ گئے۔ گھر سے باہر آتے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا "تم میرے بستر پر میری یہ حضرمی سبز چادر سر سے پاؤں تک اوڑھ کر سو رہو۔ تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ میں ہجرت کر رہا ہوں میرے پاس فلاں فلاں امانتیں ہیں۔ یہ ساری امانتیں واپس کر کے تم بھی روانہ ہو جانا"۔

Marfat.com

مرتضوی ایمان۔ "حضرت علیؓ کی عمر اس وقت بائیس تیئس برس کی تھی' اس عنفوان شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لیے پیش کرنا فدویت و جاں نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ محو خواب رہا۔ غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکے میں رہے کہ خود حضرت سرور کائنات استراحت فرما ہیں"۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علیؓ کو یہ کہہ دیا تھا کہ میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو۔ ساتھ ہی یہ خوش خبری بھی دے دی کہ تمھیں کوئی گزند نہ پہنچے گی پھر یہ بھی فرمایا کہ امانت والوں کی امانتیں واپس کر کے تم بھی چل کھڑے ہونا۔ عربوں میں بڑی خوبیاں بھی ہیں' کہ وہ بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل نہیں ہوتے' اسی لیے گھر سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر نکلنے کا وہ انتظار کرتے رہے۔ اسی طرح ایک طرف تو وہ اللہ کے رسولؐ کے خون کے پیاسے ہیں لیکن اپنی امانتوں کے انھیں ہی امین سمجھتے ہیں ہزار عداوتوں کے باوجود دشمنوں کو بھی حضور کریمؐ پر یہ اعتماد کامل تھا کہ یہ امانت میں کبھی خیانت نہیں کر سکتے۔ حضور پاک کے پاس ان میں سے ہر شخص اپنی جان اور اپنے مال کو محفوظ ہی یقین کرتا تھا۔

اسی لیے اللہ کے رسول نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا کہ میری امانتیں واپس کر کے تم بھی آ جانا۔ لیکن ایسی بھیانک رات میں کسے نیند آ سکتی تھی' جب کہ جان و ایمان سے بڑھ کر محبوب جدا ہو رہا ہو اور باہر تلواروں کی نوکیں ہیں اور نیچے کانٹوں کا فرش ہے۔ مگر تعمیل حکم کے آگے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اور صرف تعمیل ارشاد ہی نہیں اس خوش خبری پر اتنا یقین بھی ہے کہ آرام کی نیند سو جاتے ہیں۔ ایسی میٹھی اور خوشگوار نیند جو شاید اس سے پہلے کبھی نہ آئی تھی۔ ایمان کی یہ پختگی اور قلب کا یہ ایمان حضرت علی مرتضٰی کے سوا اور کسے حاصل ہو سکتا تھا۔

تلواریں سونتے ہوئے جو بہادر کفار قریش کاشانہ نبوت کے باہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے' وہ صبح تک ناکام رہے' انھیں حضور پاک کے گھر سے باہر جانے کی خبر ہی نہ ہو سکی۔ صبح ہونے پر انھوں نے اکسانے کی غرض سے کاشانہ نبوی میں تو وہاں پر تو حضور نبی اکرم کے بجائے حضرت علی موجود تھے۔ انھوں نے دیکھا کے شہنشاہ دو عالم کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاں نثار بھائی قربان ہونے کے لیے سربکف سو رہا ہے۔ مشرکین اپنی اس غفلت اور لاعلمی پر سخت برہم ہوئے۔

ان دشمنان دین اور رسول خدا کے خون کے پیاسوں نے حضرت علیؓ کی سرزنش کی' اور

Marfat.com

پوچھا، "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟"۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا مجھے کیا معلوم!" اس جواب پر ان محاصرین کو غصہ آیا، اور انھوں نے حضرت علی کو کچھ مارا پیٹا اور تھوڑی دیر انھیں حرم میں محبوس بھی رکھا۔ اور پھر وہ حضرت علیؓ کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش اور جستجو میں نکل کھڑے ہوئے۔

یہ ظالم لوگ غصے میں حضرت علی کو قتل بھی کر سکتے تھے لیکن اولاً تو ان کا مقصد علی نہ تھے۔ یہ تو اس ہستی کو ختم کرنا چاہتے تھے جو اسلام کا مرکز ہے۔ یہ تو اس ہستی کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ جس نے اب مکہ کے بعد یثرب میں ابھی اپنے قدم جمانا شروع کر دیئے تھے۔ "دوسرے انھوں نے سوچا کہ جتنا وقت علی سے پوچھ گچھ کرنے یا ان پر تشدد کرنے میں صرف کیا جائے گا وہی وقت حضور کی تلاش میں کیوں نہ لگایا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم ادھر لگے رہیں اور اصل شکار ہاتھ سے نکل جائے۔ اس لیے انھوں نے حضرت علی کو تو وہیں چھوڑ دیا اور ہر طرف میں حضور کو ڈھونڈنے کے لیے بکھر گئے"۔

مدینہ کی طرف روانگی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت علی دو یا تین دن مزید مکہ ہی میں مقیم رہے، اور آنحضرت کی ہدایت کے مطابق جن لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاروبار اور لین دین تھا۔ جن لوگوں کی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس محفوظ تھیں ان کے معاملات سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے روز مکہ کو خیرباد کہہ کر عازم مدینہ ہوئے۔ بتایا جاتا ہے حضرت علیؓ تنہا ہی مدینہ کی جانب روانہ ہوئے تھے۔ بعض روایات میں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے انھوں نے مکہ سے مدینہ تک کا سارا سفر پیدل ہی طے کیا۔

ایک دلچسپ واقعہ۔ مدینہ منورہ کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی شب سیدنا حضرت علیؓ نے یہ ثابت کر دکھایا کہ آقاو مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اگر علیؓ کی جان بھی چلی جائے تو اس عظیم سعادت سے بڑھ کر اور کیا مرتبہ ہو سکتا ہے۔ اسی حوالے سے علامہ فخرالدین راضی لکھتے ہیں کہ "جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؓ کو اپنے بستر مبارک پر سلا کر چلے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ اسلام سے فرمایا کہ جاؤ: اس میرے رسول کے پیارے علیؓ کے پاس، جو میرے محبوب پر جان نثار و فدا کرنے کے لیے تیار ہیں، ان کی حفاظت تم کرو"۔

پھر مزید بتایا جاتا ہے کہ "جبرئیل علیہ السلام آپ کے سر کی طرف کھڑے ہو گئے اور میکائیل علیہ السلام پاؤں کی جانب کھڑے ہوئے، اور بلند آواز سے ندا کی اور خوشی کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ، اے علی ابن ابی طالب، آج تمھارے جیسا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ فخر کرتا ہے

Marfat.com

تمہاری اس جاں نثاری پر"۔

علیؓ کی مواخات۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وادی یثرب میں داخل ہونے کے بعد یثرب سے چند میل کے فاصلے پر قبا کے مقام پر ٹھہر گئے تھے۔ اسی مقام پر آپؐ نے حضرت علی کی آمد کا انتظار کیا۔ پھر حضرت علیؓ کی آمد کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یثرب میں داخل ہوئے' اور وہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین میں معاشرتی طور پر نظام مواخات قائم کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ نے اپنے اصحاب کے ہر دو آدمیوں کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا' اور ایک کو دوسرے کا بھائی قرار دیا۔ ممکن ہے کسی حد تک اس مواخات کے ذریعے مہاجرین کے معاشی مسائل بھی حل کرنا مقصود ہو کیونکہ اس امر میں یہ بھی ملحوظ تھا کہ ہر انصاری ایک بے سروسامان مہاجر کی وقتی طور پر کفالت کا بھی ذمے دار ہو جائے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض مہاجرین مالدار اور متمول بھی تھے لیکن انھیں بھی مواخاتی رشتے میں منسلک کر دیا گیا' لیکن اس کے باوجود کچھ مہاجرین ایسے بھی تھے جن کی کسی انصاری سے مواخات ہی نہیں ہوئی تھی' لیکن وہ اس کے باوجود اس مواخاتی نظام میں شامل تھے۔

اخوت دنیا و آخرت – روایات میں موجود ہے کہ جب مدینہ منورہ میں نظام مواخات قائم ہو چکا تو "حضرت علیؓ روتے ہوئے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ دریافت فرمائی تو عرض کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے سب میں بھائی چارہ قائم فرمایا ہے لیکن مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔

اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے علی' تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو"۔ تب حضرت علی کو تسکین ہوئی۔ حضور نبی اکرم نے اگرچہ حضرت علی کو اپنا دنیا و آخرت کا بھائی بنا لیا تو اس میں کسی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ویسے بھی تو حضرت علیؓ کے اس وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کفیل اور سرپرست تھے۔ اس لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مواخات کی ضرورت نہ سمجھی ہو گی۔ چند ایک روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کی بھی اس مواخاتی دستور کے مطابق کسی انصاری سے مواخات ہوئی تھی۔ ابن حجر نے جناب علیؓ کے مواخاتی بھائی کا نام سہل بن حنیف بتایا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی حضرت علی کو اللہ کے رسول نے اپنا بھائی بنا لیا تھا۔

جس کا میں مولا اس کا علی مولا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی سے

Marfat.com

خاص الفت اور محبت تھی۔ اس حوالے سے بے شمار روایات اور واقعات موجود ہیں' اور یہاں پر مدینہ میں آکر تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو اپنا بھائی بھی بنا لیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خطبہ کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ علی مجھے بے حد عزیز ہیں۔ اس حوالے سے اللہ کے رسول نے۔

"سیدنا حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ: اے لوگو' کیا تم نہیں جانتے کہ میں مومنوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ اس پر لوگوں نے عرض کیا' ہاں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ میں ہر مومن کی جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہوں۔ یہ سن کر سب لوگوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ایسا ہی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: "تو سن لو! جس کا میں مولیٰ ہوں' اس کا علی بھی مولا ہے"۔ پھر فرمایا' "اے اللہ' تو اس کو دوست رکھ جو علی المرتضیٰ کو دوست رکھے۔ اور اس سے دشمنی رکھ جو ان کے ساتھ عداوت رکھے"۔

اگرچہ حضرت علیؓ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بھائی بنا لیا تھا' اور انھیں اپنی ہی سرپرستی میں رکھا تھا لیکن اس کے باوجود' حضرت علیؓ نے احترام نبوت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کبھی بھی بھائی کہہ کر نہیں پکارا تھا۔

حضرت علی کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ وہ ہر مومن مرد اور مومنہ عورت کے لیے محترم اور محبوب ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کی محبت اور الفت کے حوالے سے چند ایک احادیث میں یہاں تک بھی ملتا ہے کہ حضور فرمایا کرتے تھے کہ "جس نے علیؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے حضرت علیؓ سے بغض رکھا اس نے گویا میرے ساتھ بغض روا رکھا"۔

اسی طرح مزید ایک مقام پر فرمایا کہ "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے علی کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے علی کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔

گویا ان ارشادات نبوی سے حضرت علیؓ کے مقام و مرتبہ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور پاک کو بے حد محترم اور عزیز تھے۔

Marfat.com

باب۔ ۴

حضرت علیؓ اور سنت رسول اللہؐ

ہجرت مدینہ کے وقت حضرت علی کے پاس رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں جو امانتیں چھوڑ آئے تھے، انھیں ان کے مالکوں کے سپرد کر کے وہ بھی اسی قبا میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ پہنچے۔ حضرت علیؓ نے یہ تھکا دینے والا سفر دو ہفتوں میں طے کیا۔ دن میں کہیں چھپ کر پڑے رہتے، صرف شب کو چلتے اور اس راہ پر چل کر آئے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا تھا۔ مدینہ منورہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نظام مواخات قائم کیا تھا، اس سلسلہ میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے خود کو علی بن ابی طالب کا بھائی بنایا، کیونکہ ان دونوں کی یہ مواخات پہلے سے بھی تھی۔

انصار و مہاجرین میں جو بھائی بندی کا رشتہ قائم ہوا، اس میں مسلمانوں کی وحدت مربوط ہو گئی تھی۔ اس طرح انصار مدینہ مہاجرین کے ساتھ حسن مراعات سے پیش آئے۔ اس وقت دیگر کئی مسلمانوں کی طرح حضرت علیؓ نے کھیتی باڑی اور محنت مشقت کرنے کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔

تعمیر مسجد میں حصہ۔ یوں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں اقصائے مدینہ یعنی قباء میں ابتدائی دنوں ہی میں ایک چھوٹی سی مسجد بنا دی تھی، لیکن مدینہ میں جو باضابطہ مسجد بنائی گئی وہ ہجرت سے چھ سات ماہ بعد تعمیر کی گئی تھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے رفقائے کار نے حصہ لیا بتایا جاتا ہے کہ تمام صحابہ کرام جوش و خروش سے اس میں شامل رہے ”حضرت علیؓ اینٹ اور گارا لا لا کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے: جو مسجد تعمیر کرتا ہے، کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اس مشقت کو برداشت کرتا ہے، اور جو گرد و غبار کے باعث اس کام سے جی چراتا ہے، وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے“۔

رجز خوانی کے حوالے سے یوں بھی بیان ملتا ہے کہ رجز الاپنے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سب لوگوں کا ساتھ دے رہے، اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور

Marfat.com

صحابہ کرام اس وقت جو رجز پڑھ رہے تھے' اس کا ترجمہ یوں ہے کہ "اے ہمارے خدا' خیر تو بس آخرت کی ہی خیر ہے۔ لہٰذا تو انصار و مہاجرین کی مغفرت فرما کہ انھیں بھی یہ نعمت حاصل ہو"۔

اعلائے کلمہ حق۔ یہ مکی زندگی کا واقعہ ہے کہ ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے حضرت علی کی کسی بات پر مشرک سردار ولید بن عقبہ بن ابی معیط سے جھڑپ ہو گئی۔ ولید بن عقبہ کہنے لگا "چپ ہو جاؤ' میرے سامنے زبان نہ چلاؤ۔ میں بوڑھا ہوں' لیکن زبان تم سے بہت تیز ہے' تم سے زیادہ بہادر ہوں اور بہت بڑا جتمعہ رکھتا ہوں"۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت حضرت علی کی عمر اٹھارہ انیس سال تھی' ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر کفالت تھے' اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تربیت میں پروان چڑھ رہے تھے۔ اس لیے ان کا قلب جذبہ حق سے معمور تھا' ولید بن عقبہ ایک کے بیان پر کہنے لگے "جو کچھ تم نے کہا درست ہے' لیکن تم فاسق ہو' اللہ کے نافرمان ہو"۔

نوجوانی کی عمر میں بھی حضرت علیؓ کی یہ جرات' اعلائے کلمہ حق کا بے پناہ جذبہ اور راست گوئی نے لوگوں کو بہت متاثر کیا تھا۔ کیونکہ قرآنی تعلیمات کی رو سے "بھلا یہ کہیں ہو سکتا ہے کہ جو شخص مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو جائے جو فاسد ہو۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے"۔

ابو ذر غفاری کا واقعہ۔ جندب بن جنادہ قبیلہ غفار کے ایک موحد تھے' اس لیے ایک خدا کی پوجا کرتے تھے۔ کسی شخص نے انھیں بتا دیا کہ مکہ میں ایک نبی محمد پیدا ہوئے ہیں وہ شرک کے بجائے لوگوں کو توحید کا سبق دیتے ہیں۔ اس خبر پر جندب بن جنادہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور پھر آپؐ کو سننے اور دیکھنے کے لیے جندب بن جنادہ خود مکہ میں آیا۔ مزید روایت میں کہا جاتا ہے جندب بن عبادہ کے لیے "اب دشواری یہ تھی کہ نہ تو وہ ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا تھا اور نہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ کس غرض سے مکہ آیا ہے۔ اسی کش مکش میں چند دن گزر گئے۔ ایک دن اتفاق سے حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے ملاقات ہو گئی"۔

جندب بن جنادہ نے ڈرتے ڈرتے حضرت علیؓ سے اپنا مدعا بیان کیا۔ اس حوالے سے حضرت علیؓ نے جندب بن جنادہ کا مقصد و منشا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ گویا ان کی ملاقات حضرت علی ابن ابی طالب کی وساطت سے ہوئی۔ اس کے بعد حبیب ربانی کی زبانی جو کلام الٰہی سنا تو اس وقت اسلام لے آئے۔ اسلام لانے کے بعد وہ جندب بن جنادہ سے

Marfat.com

حضرت ابوذرغفاری بن گئے اور انھوں نے حرم کعبہ میں جا کر مشرکین قریش کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر کلمہ شہادت بلند کیا۔

اپنی مدنی زندگی کے آغاز میں چونکہ حضرت علیؓ نظام مواخات کے حوالے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی بن گئے تھے' اور انھی کے ساتھ رہتے تھے پھر مسجد نبوی اور صحابہ کرام کے لیے جب صفہ بھی تعمیر ہوگیا تو اس وقت بھی حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وعظ و نصیحت کی مجالس میں موجود رہتے۔ بیشتر اوقات وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مختلف قبائل میں بھی جاتے رہے۔ پھر اسی طرح جب اللہ کے رسولؐ نے یثرب میں آکر تحفظ انسانیت کے لیے اہل مدینہ کو ایک برادری میں منسلک کرنے کے لیے اور استحکام و دفاع مدینہ کی خاطر ایک نوشتہ' معاہدہ' اقرار نامہ' حکم نامہ یا آئین انسانیت پیش کیا' تو اس کے نفاذ اور تعمیل کے لیے بھی حضرت علیؓ دیگر صحابہ کرام کی طرح کوشاں رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ مدینہ کے گردو نواح کے تمام غیر مسلم اور یہودی قبائل اور دیگر علاقوں کے بارے میں ہر طرح کی معلومات بھی حاصل کرتے رہتے تھے' ویسے بھی چونکہ حضرت علیؓ نے کھیتی باڑی اور کاشت کاری کو بھی اختیار کر لیا تھا' اس لیے بھی انھیں لوگوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کا موقع ملتا رہا۔

مسجد قبا کا واقعہ ۔مکہ سے ہجرت کر کے جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں چند دن رکے تو وہیں پہلی مسجد بھی تعمیر کی' اس وقت تک حضرت علیؓ بھی لوگوں کی امانتیں ادا کر کے وہیں قباہی میں آگئے تھے۔ یہاں پر مسجد قباء کی تعمیر کے حوالے سے ایک واقعہ یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہاں کے لوگوں نے خود اللہ کے رسول سے درخواست کی کہ ان کے لیے ایک مسجد بنوا دی جائے۔

اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم سے ایک شخص ہمارے ناقہ پر سوار ہو کر اسے پھرائے''۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس ناقہ پر سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق سوار ہوئے لیکن اونٹنی اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ ان کے بعد حضرت عمر نے اونٹنی کی سواری کی' لیکن اس بار بھی اونٹنی اپنی جگہ سے نہ اٹھی۔ ان دونوں کے بعد ''حضرت علیؓ نے رکاب میں پاؤں رکھا تو اونٹنی کھڑی ہو گئی''۔

اس موقع پر اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تائید ایزدی سے فرمایا کہ ''اس کی مہار چھوڑ دو۔ اس حکم کی گئی ہے۔ ''جس طرف بھی چاہے گھومنے دو''۔

گویا اس طرح اونٹنی کے قدموں کے مطابق زمین پر حد بندی کر دی گئی۔ اور اسی جگہ پر

Marfat.com

مسجد تعمیر کر دی گئی۔ مزید بتایا جاتا ہے کہ صحن مسجد میں جو چبوترا ہے وہاں جا کر اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔ اونٹنی کو اٹھانے اور پھرانے کے حوالے سے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کی جو فضیلت ہے وہ بالخصوص محل نظر ہے۔

حضورؐ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کا آغاز ہوتے ہی اب مسلمانوں کی مصروفیات اور سرگرمیاں قدرے امن کی حالت میں یکسر تبلیغی اور فلاحی ہو گئی تھیں۔ مسلمان یہاں پر بدستور ترقی کی جانب بڑھنے لگے تھے اور دور دراز تک اسلام پھیلنے لگا تھا۔ یہاں پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد حضور پر نور ایک بار پھر اپنی عائلی گھریلو زندگی پر بھی توجہ دینے لگے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کفار مکہ نے بھی مسلمانوں کا مدینہ کے گرد و نواح میں آباد قبائلیوں اور یہودیوں کو بھی اسلام کے خلاف اکسانا اپنا وطیرہ بنا لیا تھا۔ اہل مکہ نے پے بہ پے مدینہ منورہ پر حملوں اور جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

اسی اثناء میں حضور نبی اکرم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا کی شادی حضرت علیؓ سے کی اور اسی دوران میں حضرت عائشہ صدیقہ بھی مناکحت نبوی میں شامل ہوئیں اور روایات کے مطابق رخصتی بھی عمل میں آئی۔

خواستگاری فاطمۃ الزہرا۔ متعدد روایات میں موجود ہے کہ "ایک روز ابوبکر و عمر و سعد بن معاذ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت فاطمہ کی شادی و نکاح کے متعلق بات چیت ہونے لگی۔ ابوبکر نے کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کے شرفاء نے فاطمہ کی خواستگاری کے متعلق گفتگو کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا ہے کہ فاطمہ کا معاملہ اس کے پروردگار کے سپرد ہے، جس کو چاہے گا اس کو ترویج کر دے گا"۔

حضرت علیؓ کی جانب سے خواستگاری فاطمہ کے حوالے سے "**رحماء بینھم**" (از مولانا محمد نافع) میں خاصی تفصیلات دی گئی ہیں۔ حضرت علیؓ چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ہی میں رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی اور سرپرستی میں تھے۔ مدینہ میں آ کر تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواخاتی بھائی بھی بن گئے تھے۔ اس قرابت اور جناب ابوطالب کے حوالے سے قریبی رشتہ داری کے باوجود اس امر کا بذات خود اظہار کرنے میں پس و پیش سے کام لے رہے تھے۔

"علی بن ابی طالب نے اس معاملہ میں نہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کی ہے نہ ان کے لیے کسی نے حضور سے کہا"۔ اس پس منظر میں حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ "میرا خیال ہے کہ علی بن ابی طالب کو خواستگاری فاطمہ سے تنگدستی کے

Marfat.com

سوا اور کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ حضرت رسول اللہؐ نے فاطمہ کا نکاح علی بن ابی طالب کے لیے محفوظ کر رکھا ہے"۔

"پھر ابوبکر صدیقؓ نے عمر اور سعد سے کہا کہ اٹھو علی بن ابی طالب کے پاس چلیں اور ان کو خواستگاری فاطمہ کے لیے تیار کر لیں۔ سعد نے کہا کہ اگر ان کو تنگدستی مانع ہو تو ان کی مدد کریں"۔

بتایا جاتا ہے کہ اسی وقت تینوں بزرگ اٹھ کر حضرت علیؓ کے گھر چلے گئے، لیکن حضرت علیؓ اس وقت گھر میں موجود نہ تھے بلکہ اپنا اونٹ لے کر ایک انصاری کے باغ میں اجرت پر آب کشی کے لیے گئے ہوئے تھے۔ اس پر یہ تینوں حضرات اسی باغ میں حضرت علی کے پاس پہنچ گئے۔

اس خاص موقع پر تینوں حضرات کو دیکھ کر "حضرت علی نے فرمایا، کیسے آنا ہوا؟ ابوبکر نے کہا، آپ نیک خصلتوں میں دوسرے لوگوں سے سبقت کیے ہوئے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا نسبی رشتہ بھی قریب تر ہے۔ ہم نشینی میں بھی دائمی نصیب ہے۔ آپ کو خواستگاری فاطمہ سے کون سا امر مانع ہے؟ میرا گمان ہے کہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رشتہ آپ کے لیے رکھا ہوا ہے، دوسروں کو اس سے منع کر دیا ہے"۔

روایت کیا جاتا ہے "جب حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ کی یہ بات سنی تو آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمانے لگے، اے ابوبکر! تم نے میرے غم کو تازہ کر دیا ہے۔ میرے سینہ میں پوشیدہ آرزو کو برانگیختہ کر دیا فرمایا کون شخص ہے جو اس خواستگاری کے لیے خواہاں نہ ہو؟ لیکن تنگدستی کی وجہ سے میں اس چیز کے اظہار میں شرم محسوس کرتا ہوں"۔

خواستگاری کی درخواست۔ چونکہ اس وقت حضرت علیؓ نے جو اپنی مجبوری اور مشکل بتائی وہ اصل میں وہی تھی جس کے بارے میں یہ تینوں حضرات پہلے ہی سوچ رہے تھے۔ "پس ان تینوں ابوبکر و عمر و سعد نے حضرت علیؓ کو اس کام کے لئے آمادہ کیا اور حضرت رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خواستگاری کی خاطر جانے کے لیے رضامند کر لیا"۔

یہ صورت حال پیدا ہونے کے بعد ایک دوسری روایت سے پتا چلتا ہے کہ "حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ، اس کے بعد میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب حضور نے مجھے دیکھا تو ہنس کر فرمایا، علی، کس طرح آنا ہوا؟ میں نے اپنی قرابت نسبی اور دیرینہ قبولیت اسلام اور نصرت دینی اور جہاد میں مساعی کا ذکر کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ تو نے کہا ہے تو اس سے بھی بہتر ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ فاطمہ کا

Marfat.com

نکاح میرے ساتھ کر دیں تو بہتر ہو گا"۔

حضرت فاطمہ کا عندیہ۔ حضرت علیؓ کی جانب سے خواستگاری فاطمہ کی یہ خواہش اور درخواست سن کر اسی وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے "فرمایا اے علیؓ یہاں ٹھہریئے میں گھر سے ہو کر آتا ہوں" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھ کر حضرت فاطمہ کھڑی ہو گئیں۔ حضور تشریف فرما ہوئے۔ آپ کی چادر اور نعلین مبارک حضرت فاطمہ نے اتار کر رکھیں۔ پھر وضو کے لیے پانی لائیں۔ اور اپنے ہاتھوں سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا اور آپؐ کے پاؤں مبارک دھوئے۔ پھر فاطمہ بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد رسول خدا نے فرمایا "اے فاطمہ!" انھوں نے عرض کیا "لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے کیا ارشاد ہے"۔ فرمایا علی بن ابی طالب نے تیرے نکاح کے متعلق ذکر کیا ہے۔ تیرا کیا خیال ہے؟ حضرت فاطمہ خاموش رہیں۔ لیکن چہرے پر کوئی ناپسندیدگی کا اظہار نہ فرمایا اور نہ ہی رخ پھیرا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم "اللہ اکبر" فرماتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا 'فاطمہ کا خاموش ہو جانا ہی اقرار اور رضامندی کی علامت ہے"۔

مصارف شادی۔ اس کے بعد حضرت علی خود کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ اٹھو اور مصارف شادی کے لیے اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ میں نے جا کر زرہ بیچ دی"۔ اور زرہ سے حاصل ہونے والی رقم سے حضرت فاطمہ اور گھر کے استعمال کے لیے کچھ سامان خریدا گیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سامان دیکھ کر دعائے خیر کی۔

بعض روایات میں یہ بھی موجود ہے کہ حضرت علی نے اپنی زرہ حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ بیچی تھی۔ حضرت عثمان بن عفان نے یہ زرہ خرید کر قیمت ادا کر دی' اور پھر یہی زرہ حضرت علی کو بطور تحفہ دے دی۔ اس ہمدردانہ طرز عمل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بھی دعائے خیر کلمات فرمائے۔ بہر صورت اس ساری رقم سے حضرت علی نے شادی کے تمام اخراجات پورے کیے۔

سیدہ فاطمہ سے نکاح۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمۃ الزہرہ کے حضرت علیؓ کے ساتھ نکاح سے پیشتر فرمایا کہ "مجھے حکم ہوا ہے کہ' فاطمہ کو علی بن ابی طالب کے ساتھ تزویج کر دوں"۔ اس کے بعد اللہ کے نبی نے بالالتزام حضرات ابوبکر صدیقؓ عمر' عثمان' طلحہ اور زبیر کو بھی اس موقع پر بلایا اور پھر ان سب حضرات کی موجودگی میں سیدہ

Marfat.com

فاطمہ کا حضرت علیؓ سے نکاح کر دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں "حمد و ثناء اور نکاح کی اہمیت بیان فرمائی گئی"۔ پھر فرمایا کہ "میں سب حاضرین مجلس کو اس چیز کا گواہ اور شاہد قرار دیتا ہوں کہ میں نے فاطمہ کا علی بنا ابی طالب کے ساتھ چار صد مثقال مہر کے عوض نکاح کر دیا ہے"۔

بتایا جاتا ہے کہ سیدہ فاطمہ کا حضرت علیؓ کے ساتھ نکاح ذالحجہ کے آخر میں یا محرم کے اوائل میں، غزوہ بدر کے بعد ۲ ہجری میں ہوا۔ اس وقت سیدہ فاطمۃ الزہرا کی عمر پندرہ سال پانچ مہینے تھی۔ حضرت فاطمہ کے بطن سے حسن، حسین اور محسن صاحبزادے اور زینب اور ام کلثوم بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ حضرت فاطمہ نے رمضان المبارک سن ۱۱ ہجری میں، قریباً انتیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ جب تک حضرت فاطمہ زندہ رہیں اس وقت تک حضرت علیؓ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی تھی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی شادی حضرت علی سے کر دی تو اس کے بعد حضرت علی نے بہترین عائلی زندگی گزارنا شروع کر دی۔ اس کے بعد سے تو حضرت علی نے زیادہ لگن اور الفت و محبت کے ساتھ اسلام کے لیے ایثار اور قربانی دینا شروع کر دی تھی۔ انھوں نے اللہ کے نبی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور سب میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے ہی کو سب سے بڑی سعادت جان لیا تھا۔

سنت رسول۔ اسی دور میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فلاح بخش جو معاشرہ قائم کیا تھا' اس کے حوالے سے ایک بار حضرت علی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ "یا رسول اللہؐ آپ کی سنت کیا ہے۔ تو اس سوال کے جواب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"میری دولت معرفت ہے۔ میرے دین کی بنیاد عقل پر ہے۔ محبت میرے کام کی اساس ہے' شوق میرا مرکب (سواری) ہے' خدا کی یاد میری ہمدم ہے' اعتماد میرا خزانہ ہے' غم رفیق زندگی ہے' علم اسلحہ ہے' صبر چادر ہے' رضا مال غنیمت ہے' فقر فخر ہے' زہد میری صنعت ہے' یقین میرے دست و بازو ہیں' صداقت میری شافع ہے' عبادت میرے لیے سبب کفایت ہے' جہاد میری فطرت میں مضمر ہے اور نماز میری تسکین قلب ہے"۔

اس پیغمبرانہ وضاحت کے بعد حضرت علی نے اپنے لیے بھی ہمیشہ اسی سنت رسول اللہ ہی کو مقصد حیات بنائے رکھا اور ہر دم اسی کی پیروی ہی کو عین سعادت اور شرف انسانیت سمجھے

Marfat.com

رکھا۔

عبداللہ بن ابی سے مکالمہ۔ مدینہ میں عبداللہ بن ابی ایک فصیح البیان شخص تھا۔ وہ منافقین کا سردار تھا۔ اس کا نفاق ظاہر اور مشہور ہو چکا تھا۔ ویسے بھی عبداللہ بن ابی ایک حسین و جمیل شخص تھا۔

ایک واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے' ایک دن عبداللہ بن ابی اپنے رفقا کی منافقتوں کے سایوں میں بیٹھا ہوا تھا' تو ادھر سے صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی آ رہی تھی۔ انھیں دیکھ کر عبداللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو "میں ان بے وقوفوں کو کس طرح سے تم لوگوں سے ہٹائے رکھتا ہوں۔" بتایا جاتا ہے کہ عبداللہ بن ابی نے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا "مرحبا' صدیق اکبر۔ بنو تیم کے سردار اور شیخ الاسلام اور غار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق۔ اپنی جان و مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قربان کرنے والے"۔

اس کے بعد اس منافق سردار نے حضرت عمر فاروقؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا "مرحبا! سردار بنو عدی۔ فاروق لقب' اللہ کے دین میں قوی اپنی جان و مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قربان کرنے والے"۔

پھر اس نے اسی طرح حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر کہا "مرحبا رسول اللہ کے چچیرے بھائی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد' اور رسول اللہ کے بعد بنو ہاشم کے سردار"۔

نفاق بھرے عبداللہ بن ابی کے یہ الفاظ سن کر حضرت علی نے فرمایا! "اے عبداللہ! اللہ سے ڈر' اور نفاق کی باتیں مت کر' کہ منافقین خدا کی بدترین مخلوق ہیں"۔

یہ سن کر عبداللہ بن ابی نے ایک بار پھر منافقانہ انداز میں کہا "اے ابوالحسن 'بس کرو۔ کیا آپ مجھے ایسا کہتے ہیں۔ واللہ ہمارے ایمان تمھارے ایمان کی طرح اور ہماری تصدیق نبوت تمھاری ہی تصدیق کی مانند ہے"۔ اس گفتگو کے بعد سب لوگ متفرق ہو گئے۔ تب عبداللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا' تم نے دیکھا' میں نے انھیں کیسا بنایا۔"

صورت احوال اس سے یکسر مختلف تھی۔ حالانکہ حضرت علی نے عبداللہ بن ابی کو برملا اور برسر مجلس بے روک انداز میں یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ منافق شخص ہے' اور اس کی باتوں میں کذب و افتراق کا غلبہ ہے۔

جب اس واقعہ کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ نے تشویش کا اظہار کیا۔ اس موقع پر آیت نازل ہوئی:

Marfat.com

"منافقین کا یہ حال ہے کہ جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں اور جب اپنے رفقاء شیاطین سے علیحدگی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھ ہیں"۔

"اور جب منافقین ایمان لانے والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لے آئے ہیں"۔

منافقین کے بارے میں۔ بعد کے برسوں میں حضرت علی نے منافقین کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے اپنے ایک خطبے میں فرمایا تھا کہ:

"ان لوگوں نے مطلب براری کے لیے شیطان پر بھروسہ کیا اور اسے اپنا کارساز بنا لیا' شیطان نے دوسروں کی گمراہی کے لیے انھیں اپنا شریک و رفیق قرار دے لیا۔ بس اس شیطان نے ان کے سینہ میں انڈے سینے' اور ان کی گود میں انڈوں سے پیدا ہو کر وسوسے رینگنے اور پروان چڑھنے لگے۔ ان میں اور شیطان میں اتنی یک جائی ہو گئی کہ وہ ان کی آنکھ سے دیکھتے لگا' ان کی زبان سے بولنے لگا' اس نے انھیں ہر طرح امادہ معاصی کر دیا اور کار بد کو ان کے لیے زیب و زینت بنا دیا۔ یہ وہی حرکتیں کرنے لگے' جیسے وہ شخص جسے شیطان نے اپنے امور میں شریک کر لیا ہو اور جس کی زبان سے وہ باطل کا پرچار کر رہا ہو"۔

Marfat.com

باب-۵

اللہ کا شیر حیدر

شیر خدا حضرت علیؓ کے والد جناب ابو طالب مکہ کے سرداروں میں خاصے مالدار اور متمول تھے۔ تجارت میں ان کی نیک نامی اور ایک خاص مقام و مرتبہ تھا' اس لیے وہ اپنے خاندان کی ہاشمی وجاہت کے ساتھ کفالت کرتے رہے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سامی النسل عرب ہونے کے باعث ایک خاص دبدبہ' شان اور روایتی رکھ رکھاؤ بھی موجود تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنی اولاد کی پرورش میں کوئی کمی اور کسر نہ چھوڑی۔

ایک تناظر۔ جناب ابو طالب کی اولاد میں حضرت علی سب سے چھوٹے برخوردار تھے۔ علی کے عہد تک چونکہ ان کے بیٹے بیٹیوں کی تعداد اچھی خاصی ہو چکی تھی' اس لیے تنگ دستی بھی آ گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود گمان غالب ہے کہ حضرت علیؓ نے بچپن میں' پوری ہاشمی شان و شوکت سے زندگی گزاری۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی اسی معیار پر ہوئی کہ جو قبیلہ بنو ہاشم کی موروثی روایت تھی۔ حضرت علی نے بھی بچپن کے تمام معصوم مشاغل میں حصہ لیا اور پھر جب وہ بچپن سے جوانی میں داخل ہوئے تو اس وقت انھوں نے بھی عام ہاشمیوں کی طرح محنت' طاقت اور مہارت کے مشاغل بھی اختیار کیے۔ انھوں نے کشتی' گھڑ سواری' نیزہ بازی اور اسی وضع کے فنون میں بھی باقاعدہ دلچسپی لی۔

پھر عین جوانی میں انھوں نے جب کاشانہ نبوی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی حاصل کی تو اس کے بعد سے تو انھوں نے رفتہ رفتہ یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ قوت اور طاقت کا ہونا بھی ایک ضروری امر ہے۔ اسی اثناء میں جب انھوں نے عین اپنے عہد شباب میں اسلام کو قبول کر لیا تو انھیں پورے مسلمانوں کی قوت اور طاقت کے تقاضوں کا شدت کے ساتھ احساس ہونے لگے۔

مشکلات کے درمیان۔ ابتدائی عہد میں اسلام کو جن مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا تھا' اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو جس طرح چھپ چھپا کر اور محتاط انداز میں عبادات کرنا پڑی تھیں' اس حوالے سے بھی ان میں رفتہ رفتہ محتاط انداز نظر اور زندگی کے بارے میں جھد

Marfat.com

پسندانہ رویہ پیدا ہونے لگا۔ اس دور میں جو بھی شخص اسلام کو قبول کرلیتا تھا۔ وہ وادیِ امن و سکون اور عافیت کی فضاؤں میں آجاتا تھا۔ لیکن اس کے برعکس باہر تمام کفار حتیٰ کہ رشتہ دار اور اہل قرابت بھی دشمن اور خون کے پیاسے بن جاتے تھے۔ اس سارے پس منظر میں حضرت علیؓ کی صورت قدرے مختلف تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ جناب علیؓ نے عین نوجوانی میں اسلام کو قبول کیا تھا۔ اور دوسرے یہ بھی کہ ان کے والد جناب ابوطالب نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی سابق ضد پر ڈٹے رہے تھے۔ جناب ابوطالب سے کئی قصیدے منسوب ہیں' ایک قصیدے میں لکھا ہے کہ "اگر ملامت کا خوف اور سبکی کا خوف نہ ہوتا تو اس دین کو قبول کر لینے میں یقیناً مجھے برملا اور فراخ دل پاتا"۔

اہل مکہ اور کفار نے جب بنی ہاشم کے لوگوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شعب ابی طالب میں محصور اور مقید رہنے پر مجبور کر رکھا تھا تو' اس وقت بھی مسلمانوں پر یہ بڑا کٹھن اور مشکل وقت تھا۔ یہ عہد مسلمانوں کی شدید آزمائش اور مشکلات کا دور تھا۔ شعب ابی طالب میں مسلمانوں کی محصوری اور باقی اہل مکہ سے لاتعلقی نے انھیں کئی طرح کی محرومیوں اور کمیوں سے بھی روشناس کرا دیا تھا۔ پس یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ شعب ابی طالب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثار ساتھیوں کا جبری قیام سب کے لیے ایک بہت بڑی نعمت ثابت ہوا۔ مسلمان آلام اور مصائب برداشت کرنے کے خوگر بن گئے۔ انھیں ایک دوسرے کے ساتھ اور قریب قریب رہ کر ایک دوسرے سے زیادہ الفت اور محبت پیدا ہوئی۔

قوت اور بہادری کا آغاز۔ شعب ابی طالب میں محصوری کے وقت تمام مسلمانوں میں حضرت علی ہی سب سے نوجوان تھے۔ جسم و جان میں قوت اور توانائی وافر تھی۔ ہر طرح کا کام کرنے میں وہ ہمیشہ پہل کرتے تھے۔ ویسے بھی وہ مشکل کام جو بڑی عمر کے لوگوں اور بزرگوں کے لیے قدرے مشکل اور دوبھر ہوتے تھے حضرت علیؓ ایسے کاموں کو بھی باآسانی سرانجام دے لیتے تھے۔ نوجوانی کی ترنگ' جذبہ خدمت اور ایثار و قربانی کی نیت سے حضرت علی محنت مشقت اور طاقت و توانائی والے ہر کام کرنے میں ایک طرح کی مسرت محسوس کرتے تھے۔ اور ہاں انھوں نے اپنی محنت طاقت' قوت اور لگن کے باعث یہ ثابت بھی کر دکھایا تھا کہ وہ ہر کام کرنے کے اہل ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ کسی امر کی بجا آوری کے لیے ہر طرح کی مشکل کو بھی برداشت کرسکتے ہیں۔ بوقت ضرورت وہ بدخواہ دشمن کے ساتھ نہ صرف مقابلہ کرسکتے ہیں بلکہ دشمن پر غالب آنے کی بھی اہلیت اور قدرت رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں اس ابتدائی دور میں بھی دیگر کہنہ مشق بزرگان کے ساتھ ساتھ حضرت علی جیسے قوی اور نوجوان پر بھی بجا طور پر

Marfat.com

بھروسہ کیا جا سکتا تھا- یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اور دوسرے تجربہ کار بزرگ اور بہادر مسلمان بھی انھیں اپنے ہمراہ رکھنے میں کسی طرح کی عار محسوس نہیں کرتے تھے-

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سے حضرت علی کو اپنی تحویل اور سرپرستی میں لیا تھا' اس کے بعد سے ان کی ہر طرح کی تعلیم و تربیت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیا کرتے تھے- پھر اس کے علاوہ حضرت حمزہ' حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بھی ہمہ وقت حضرت علی کی موانست' ساتھ اور معیت کے لیے تیار رہتے تھے- بالخصوص حضرت حمزہ کی بہادری اور شجاعت بجا طور پر حضرت علی کے لیے اچھی مثال اور مقام تفاخر تھی- اس لیے حضرت علی نے بھی اپنے اندر بہادری' شجاعت' قوت اور دلیری کے ایسے ہی معیار پیدا کرنے کی لگن زندہ رکھی تھی-

بہرصورت یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ شعب ابی طالب کے قیام کے دوران میں حضرت علی بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور دیگر محصورین کے جلو میں آلام و مصائب' ادبار' مشکلات' اہل مکہ کی بے رخیوں اور عداوتوں کے باعث صبر و تحمل کی بے پناہ دولت سے متصف ہوئے- انھوں نے کٹھن سے کٹھن حالات میں بھی رہنا سیکھ لیا تھا- بھوک اور پیاس کی مصیبتیں جھیل جھیل کر ان میں جذبہ غنا اور قناعت کی نعمت پیدا ہو چکی تھی- اسی بھٹی کی بے شمار مثالیں دیکھی تھیں' اور سب سے بڑھ یہ کہ اس عہد محصوری میں حضرت علیؓ نے بھی سب سے بڑھ کر اللہ پر توکل کرنے کا درس حاصل کیا تھا- خلاصتہ" یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ شعب ابی طالب کے قیام نے جناب علیؓ کو کندن بنا دیا تھا-

حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بہادری اور شجاعت کے ساتھ ساتھ متعدد کئی اوصاف موروثی طور پر والد محترم جناب ابوطالب سے بھی ملے- ویسے بھی چند مسالک کے حوالے سے جناب ابوطالب کو مسلمان ہی قرار دیا جاتا ہے- جناب ابوطالب خود بہت بڑے خطیب اور شاعر تھے- بڑے معاملہ فہم اور نقطہ رس تھے- ایک اچھے تاجر کے ان میں تمام اوصاف موجود تھے- بہادری اور شجاعت میں بھی بے مثال تھے- یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ایک موقع پر جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہہ دیا تھا کہ اگرچہ تمھیں نہ روکنے پر مجھے قریش اور اہل مکہ سے بہت کچھ سننا اور برداشت کرنا پڑتا ہے- لیکن اے بھتیجے' تمھیں پوری آزادی ہے کہ تم اپنے دین کی تبلیغ اور ترویج کرتے رہو' کوئی دشمن تمھارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا-

اسی طرح جب حضرت علی نے اپنے والد کے علم میں لائے بغیر دین اسلام کو قبول کر لیا

Marfat.com

تھا' تو اس پر بھی جناب ابوطالب نے کسی قسم کی ترشی اور خفگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

جناب ابوطالب **وسیع الظرف**' آسودہ اوصاف خوش حال' **باوقار**' معزز اور یار باش قسم کے ایک وجیہہ شخص تھے۔ وہ اپنی رائے کا اظہار بے روک انداز میں کر دیا کرتے تھے۔ یہی اوصاف حضرت علیؓ میں بھی موجود تھے' عبداللہ بن ابی کو تو حضرت علیؓ نے اسی کے دو بدو یہ کہہ دیا تھا کہ "اے عبداللہ۔ تمھاری باتوں میں نفاق اور منافقت ہے۔ تمھاری زبان پر کچھ اور ہے اور دل میں کچھ اور ہے"۔

جناب ابوطالب بہت اچھے مہمان نواز' فیاض' اور انصاف پسند ہاشمی تھے۔ دوسروں کے لیے کچھ کر کے وہ خوشی محسوس کرتے تھے۔ جناب ابوطالب مشقت اور محنت کی زندگی کے پروردہ تھے' اور لامحالہ یہی اوصاف حضرت علیؓ میں بھی موجود تھے۔ حضرت علیؓ بھی بے باک' نڈر اور حق کی بات کہہ دینے میں کبھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر طرح کے امور اور فرائض کی ذمے داری بڑی عقل و فہم سے محسوس کرتے تھے۔

در شب ہجرت۔ حضرت علیؓ طبعاً" اور مزاجاً محنتی' ایماندار' ہمدرد' ذمے دار' راست باز' بہادر اور بے خوف انسان تھے۔ وہ مشکلات میں ہرگز نہیں گھبراتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شب ہجرت جب اللہ کے رسول نے ۱۲ ربیع الاول ۶۲۲ء کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو پورے اعتماد' ذمے داری اور وثوق کے ساتھ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا گئے۔ اس موقع پر یہ امر محل نظر رہے کہ ہجرت کے وقت حضرت علی کی عمر بائیس تیئیس سال تھی' لیکن بہادری' جرات اور جسمانی طاقت کے اعتبار سے وہ خاصے توانا تھے۔ کسی حملہ یا نرغے میں آجانے کے باعث وہ اپنا دفاع کرنے کی بھی پوری ہمت اور استطاعت رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں اللہ کے رسول نے اپنی زبان مبارک سے یہ یقین بھی دلا رکھا تھا کہ انھیں اسلام کا کوئی دشمن کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ کفار قریش گھات میں لگے ہوئے' وہ تلواریں لیے دروازے پر کھڑے ہیں' اور حضرت علیؓ اس نازک وقت میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر آنحضرت کی سبز چادر اوڑھے بے خوف و خطر سوتے رہے۔ اور پھر جب صبح کفار سے سامنا ہوا تو بھی انھوں نے کسی قسم کی کمزوری ظاہر نہ کی بلکہ انھوں نے تو کفار کو **برانگیختہ** کر دینے والا جواب دیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔

بہر صورت حضرت علیؓ انھی تلواروں کی چھاؤں اور دشمنوں کے درمیان تین دن مزید مکہ میں ہی رہے۔ اس دوران میں انھوں نے مکہ کے لوگوں کی امانتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں' اہل امانت کے سپرد کیں۔ اس کے بعد انھوں نے بھی مدینہ کی

Marfat.com

جانب ہجرت کا قصد کیا۔ بتایا جاتا ہے' ہجرت کے وقت حضرت علی کے ہمراہ کمسن بچے' حضرت ام ایمن' ان کے لڑکے ایمن اور ضعیف و بے سہارا مومنوں کی ایک جماعت تھی۔ اس چھوٹے سے قافلے کے ساتھ حضرت علیؓ راتوں رات سفر کرتے اور دن کو کہیں چھپ جاتے۔ حتیٰ کہ مسلسل سفر کرتے کرتے آپ کے پیر پھٹ گئے۔ جب حضرت علی کئی دنوں کی مسافت کے بعد مدینہ میں قبا کے مقام پر پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھ کر انھیں گلے لگا لیا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس وقت حضرت علیؓ کے پیر متورم تھے' یہ حالت دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ترس آگیا آپ آبدیدہ ہو گئے۔ پھر اپنا لعاب مبارک ہاتھوں پر مل کر حضرت علی کے پیروں پر لگایا۔ جس کے بعد ان کے پیر بالکل اچھے ہو گئے۔

گویا حضرت علی کا اس چھوٹے سے قافلے کو تن تنہا پیدل لے کر مدینے پہنچ جانا ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ چونکہ حضرت علیؓ نے بھی ہجرت کے لیے وہی راستہ اختیار کیا تھا جس پر سے قافلہ نبوت گزر کر گیا تھا' اس سفر کو کئی حوالوں سے حضرت علی کا ایک بہت بڑا کارنامہ اور معرکہ قرار دیا جا سکتا تھا۔

ابتدائی حفاظتی اقدام۔ بہر صورت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ میں پہنچ کر مسلمانوں کی بہتر ترقی اور ترویج کے لیے کئی اہم اقدامات کیے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے مدینتہ النبی میں جو عالمی قومیت پیدا کی اس کی کہیں اور مثال نہیں ملتی۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے کفار مکہ کو بھی فراموش نہیں کیا تھا۔ کیونکہ کفار مکہ مستقبل میں جو کارروائیاں کرنے والے تھے' حضور پر نور ان سے بھی بے خبر نہیں تھے۔ کفار مکہ نے چونکہ مسلمانوں کی پہلی ہجرت جو انھوں نے حبشہ کی طرف کی تھی' اس کا بھی تعاقب کیا تھا' اور یقیناً وہ اب بھی ہجرت مدینہ سے بھی درگزر نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے مدینہ میں مسلمانوں نے کچھ حفاظتی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ ادھر کفار مکہ میں ابوسفیان نے بھی مسلمانوں پر کاری ضربیں لگانے کے منصوبے بنا لیے تھے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور نگرانی میں مدینہ کے مسلمانوں نے کسی بھی متوقع خطرے اور حملے سے بچنے کے لیے کئی طرح کے اقدامات کیے تھے۔ مثلاً جو آئین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں نافذ کیا تھا' اس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ "یہود اور مسلمان ایک دوسرے کے دوست رہیں گے' اور کسی تیسرے حملہ آور کے مقابلے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے"۔ اسی طرح حضور رسول رحمت نے مدینہ منورہ میں بھی ہر طرح کے کشت و خون کو سب پر حرام قرار دیا تھا۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ قریش کو کوئی امان نہ دے

Marfat.com

گا۔ بہر طور اس معاہدہ مدینہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ آئندہ پیش آنے والے کئی خطرات ٹل گئے تھے اور قریش اور کفار مکہ کی ممکن الوقوع سازشوں کا بھی بڑی حد تک سد باب ہو گیا تھا۔

ان تھوڑے بہت تحفظات کے باوجود بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی فوجی تنظیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ انھوں نے سب سے پہلے جناب حمزہ کی زیر قیادت عسکری انتظامات کرنے شروع کر دیئے۔ اس وقت حضرت علیؓ بھی مسلمانوں کی اس عسکری تیاری میں بدستور شریک اور شامل رہے۔ حضرت علیؓ مسلمانوں کے کئی عسکری دستوں میں جنگی تربیت دیتے بھی رہے اور تربیت حاصل بھی کرتے رہے۔ مسلمانوں کی اس عسکری تربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہجرت مدینہ سے چند ماہ بعد مسلمان اس قدر مضبوط اور طاقت ور ہو چکے تھے کہ ان کے لیے اپنا دفاع کرنا مشکل نہ رہا تھا۔

اہل کفار بھی مسلمانوں کی اس کیفیت سے واقف ہو چکے تھے' اس لیے انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو ہزیمت دکھانے کے لیے کئی سازشیں شروع کر دی تھیں۔ سب سے پہلے انھوں نے مدینہ کے یہودیوں کو اپنا ہمنوا بنانا چاہا اور پھر منافقین کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اسی اثناء میں اہل قریش میں سے ایک طاقت ور شخص اور سردار کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی بیرونی چراگاہ پر حملہ کر کے کچھ مویشی چرا لیے تھے۔ مسلمانان مدینہ نے اس چھوٹی سی کارروائی کو محسوس کیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق وادی سفوان تک اس شخص کا تعاقب کیا' لیکن وہ کرز بن جابر فہری بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

جہاد کا حکم۔ اب مسلمان تاریخی اور عملی طور پر ایک عہد میں داخل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انھیں جہاد اور قتال کا حکم دے دیا جاتا ہے کہ "جن مسلمانوں سے جنگ کی جائے انھیں بھی جنگ کی اجازت دی جاتی ہے' اس لیے کہ ان پر ظلم کیے گئے۔ اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے۔ ان کو صرف اس جرم میں کہ یہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کرتے ہیں' ان کے گھروں سے نکالا گیا"۔

اس کے ساتھ ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس امر کی اجازت دے دی کہ "اللہ کا نام لے کر اللہ ہی کی راہ میں اللہ کے نافرمانوں سے جہاد کرو۔ اور بد عہدی اور خیانت نہ کرنا"۔ اور پھر اسی حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ "کسی قوم کی دشمنی تمھیں عدل سے باہر نہ لے جائے۔ عدل کرنا ہو گا کیونکہ یہی تقوے سے قریب تر ہے"۔

Marfat.com

حفاظتی سرگرمیاں۔ مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے یہودیوں کے ساتھ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاق امن و سلامتی کر لیا تھا تو اس کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کو صرف کفار قریش کی جانب سے مستقل خطرہ تھا کہ وہ کسی دن اچانک حملہ نہ کر دیں۔ "یہی دن تھے جب کہ مسلمانوں پر دن کا چین اور راتوں کی نیندیں حرام تھیں۔ سنن نسائی میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات رات بھر جاگا کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ صحابہ کرام شب خون کے ڈر سے ہتھیار باندھ کر سویا کرتے تھے۔ صحابہ کرام کے کئی دستے باری باری حفاظتی گشت بھی کیا کرتے تھے۔ ان حفاظتی سرگرمیوں میں حضرت علی بھی دیگر صحابہ کرام کے ساتھ خدمات انجام دیتے رہے تھے۔

ان تیاریوں اور حفاظتی کارروائیوں کے باعث مدینہ میں مسلمان بجا طور پر ہوشیار اور چوکس رہنے لگے تھے' یہی نہیں بلکہ اب تو مسلمانوں نے تجارتی راستوں کی ناکہ بندی بھی کرنا شروع کر دی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ سالار اعظم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے اردگرد اور اقصائے وادی یثرب سے خاص کر مہاجرین کو آگاہ اور واقف کرنے کی بھی کئی کارروائیاں کیں۔ چند ایک سرایا اس حوالے سے قابل ذکر ہیں۔ سرایا ایسی مہمات کو کہا جاتا ہے کہ جن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو شرکت نہ کی لیکن مجاہدین کے دستے روانہ کیے۔ سرایا کا ایک مقصد جائزہ لینا بھی ہوتا تھا۔ عہد نبوی کے ایسے سرایا کی تعداد سنتالیس بتائی جاتی ہے۔

ان سرایا کے باعث مسلمانوں کو کئی سیاسی فوائد حاصل ہوئے۔ مثلاً سب سے پہلے تو بالخصوص مہاجرین مدینہ منورہ کی وادی کی مکمل جغرافیائی حیثیت سے آگاہ ہو گئے' اور پھر اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے تجارتی شاہراہوں کی ناکہ بندی کر کے بڑی حد تک مدینتہ النبی کو محفوظ و مامون کر رکھا تھا۔ علاوہ بریں مسلمانوں کو متوقع دشمنوں کی کارروائیوں کی بھی خبر رہنے لگی تھی۔

لوائے نبوی کا اعزاز۔ رئیس مکہ کرز بن جابر فہری نے سن دو ہجری میں مدینہ کی چراگاہ پر ایک شب خون مارا۔ وہ چراگاہ کے نگران حضرت ذر کو قتل کر کے بہت سے اونٹ اور بکریاں لے گیا۔ اس شب خون کی اطلاع ملتے ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دو سو مسلمان مجاہدین کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔

اس غزوہ میں حضور نبی اکرم نے لوائے نبوی حضرت علی کے ہاتھ میں دیا تھا۔ "لوا" وہ جھنڈا ہوتا تھا کہ جسے نیزے کے ساتھ باندھ لیا جاتا تھا۔ اور یہ بھی ریت تھی کہ یہ لوا قابل

Marfat.com

اعتماد آدمی ہی کو عطا کیا جاتا تھا۔ بہر صورت کرز بن جابر فہری کے تعاقب میں نکلتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوائے نبوی لہرانے اور حفاظت کرنے کے لیے حضرت علیؓ کے سپرد ہی کیا تھا۔ اس وقت آپؐ کے ساتھ دو سو مسلمانوں کا ایک لشکر تھا۔ اس لشکر نبوی نے وادی سفوان تک کرز کا تعاقب کیا' لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس غزوہ میں مستقل لوائے نبوی کو بلند اور لہرائے رکھا۔

غزوہ بدر میں کردار۔ کرز بن جابر فہری کی اس مخاصمانہ شرارت کے بعد تو مسلمانوں پر واضح طور پر عیاں ہو گیا تھا کہ کفار قریش' مدینہ میں بھی مسلمانوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ اس پر مستزاد عبداللہ بن ابی کی منافقانہ چالیں بھی کھل کر سامنے آنے لگی تھیں۔ مسلمانان مدینہ نے تجارتی راستوں کی ناکہ بندی سے تجارتی کاروائیوں کی مزاحمت سے جس طاقت کا مظاہرہ کیا تھا' اس سے کفار مکہ سخت ناخوش تھے۔ اس لیے قریش نے جلد ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ مدینہ پر حملہ کر دیا جائے۔ لہٰذا اس مقصد کے لیے مکہ میں بھاری رقم جمع کی گئی۔ اسی اثناء میں مسلمانان مدینہ نے ناکہ بندی کے دوران میں ابوسفیان کے قافلے کا تعاقب کر کے اسے بھی بہت ہراساں کر دیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی مدینہ میں مسلمانوں کو یہ اطلاعیں ملنے لگی تھیں کہ اب مدینہ پر حملہ یقینی ہے۔ لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی قریش کے قافلے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن اللہ کے حکم کے مطابق دشمن سے مقابلہ ہو گیا۔ تاریخی اعتبار سے بعض حوالوں سے یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار ساتھی مدینہ سے مدافعت اور جنگ ہی کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

علیؓ۔عقاب بردار۔ بہر صورت رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا تھا کہ سالار اعظم لشکر اسلامی کو لیے ہوئے مدینہ منورہ سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اس "مدنی لشکر کے آگے دو سیاہ پرچم تھے۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی کے ہاتھ میں تھا جس کا نام عقاب تھا۔ انصار کا علم حضرت سعد بن معاذ بلند کیے ہوئے تھے۔ سب سے بڑا جھنڈا (رایت) حضرت مصعب بن عمیر اٹھائے ہوئے تھے۔ اور مسلمان روزے سے تھے۔"

اس موقع پر سالار اعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار لشکر اسلام کا کئی حوالوں سے جائزہ لیا' اور جا بجا ضروری امور میں ہدایات جاری فرمائیں۔ اس لشکر اسلام میں سواری کے لیے ستر اونٹ اور صرف دو گھوڑے تھے۔ اس طرح ہر تین آدمیوں میں ایک اونٹ بانٹا گیا تھا۔

Marfat.com

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک مرکب یعنی سوار ساتھی، حضرت علیؓ، ابو لبابہ اور حضرت زید بن حارثہ تھے۔ ان ساتھیوں نے بار بار عرض کیا کہ ہم خوشی سے پیدل چلنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن آپ سوار رہیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہ تم پیادہ روی میں مجھ سے زیادہ طاقت ور ہو اور نہ میں ثواب حاصل کرنے سے بے نیاز ہوں"۔

کفار مکہ کا لشکر ۱۶ رمضان کو میدان بدر میں پہنچا۔ اس سے پیشتر حضرت علیؓ خود بھی دشمن کی پیش قدمی اور حرکات و سکنات کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے تھے۔ پھر اسی اثناء میں کفار مکہ کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو روانہ فرمایا تھا۔ اس طرح کفار قریش اور ان کے جنگی ارادوں کے بارے میں وافر معلومات حاصل ہوئیں۔

"بدر، مدینہ سے تقریباً اسی میل دور یمن اور شام کی تجارتی شاہراہ پر ایک بیضوی شکل کا میدان ہے، جو چاروں طرف سے ٹیلوں اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے"۔ یہاں پہنچ کر سالار اعظم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے لیے موزوں ترین مقام کا انتخاب کیا، اور پھر اس وادی میں میٹھے پانی کے جو چشمے تھے ان پر بھی مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ بہر صورت اس غزوہ بدر میں مسلمان جن کی تعداد تین سو پانچ سے تین سو انیس بتائی جاتی ہے، انھوں نے وادی بدر میں جنگی اعتبار سے بہتر، موزوں اور عمدہ مقام پر قیام کر لیا تھا۔ کفار مکہ کے کیل کانٹوں سے لیس لشکر کی تعداد مسلمانوں سے تقریباً تین گناہ یا ایک ہزار سے تیرہ سو تک بیان کی گئی ہے۔ ان میں چھ سو زرہ پوش جنگ جو، اور ایک سو ستر سوار اسلحہ بند اور دو سو گھڑ سوار بھی تھے۔

اس میدان بدر میں حضرت علیؓ کی حیثیت کے بارے میں "کتاب المعارف" میں ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ "مہاجرین کا پھریرا جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی سیاہ چادر سے بنایا گیا تھا، اسے حضرت علی اٹھائے ہوئے تھے"۔

اس وقت "مجاہدوں میں چار افراد نمایاں نشانیوں کے حامل تھے۔ حضرت امیر حمزہ اپنی خود پر شتر مرغ کے پر لگائے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ کے سر پر سفید پشمینہ بندھا تھا۔ حضرت زبیر کے عمامہ کا رنگ زرد تھا۔ حضرت ابودجانہ سرخ سربند باندھے ہوئے تھے"۔

ادھر کفار مکہ کی فوج کا سپہ سالار اعظم عتبہ بن ربیعہ تھا لیکن بااثر ابو جہل تھا۔ لشکر کفار میمنہ اور میسرہ میں حسب روایت جنگ تقسیم تھا۔ ان میں بھی علم برداروں کی تعداد تین تھی۔ جب حق و باطل کے لشکر آمنے سامنے ہوئے تو کفار میں سے لوگوں نے ہجوگوئی اور رزم خوانی

Marfat.com

سے کام لیا- سپاہیوں کے دل بڑھانے کے لیے گانے والیوں نے بھی اپنا کام دکھایا- ابو جہل نے بھی اپنی قوم کو کئی حوالوں سے بہت بھڑکا لیا تھا-

معرکہ حق و باطل- پھر ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری بمطابق ۱۳ مارچ ۶۲۶ء کو معرکہ حق و باطل واقع ہوا- قریش کی جانب سے معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد انھوں نے پانی کے چشمہ یا حوض پر قبضہ کرنے کی کوشش کی- لیکن نقصان اٹھایا' اور اسود مشرک قتل ہو گیا- اس کے بعد جنگ کی آگ بھڑک اٹھی- کفار کی پہلی صف میں حرکت ہوئی-

دونوں لشکر مدمقابل تھے- "معاً" لشکر قریش سے عامر اپنے مقتول بھائی عمرو بن الحضرمی کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے میدان میں نکلا' اور مبارز طلب ہوا- ادھر سے حضرت عمر کا غلام مقابل ہوا' اور چشم زدن میں عمرو خاک و خون میں تڑپ رہا تھا"-

اس کے بعد سپہ سالار اعظم عتبہ بن ربیعہ کفار قریش کی جانب سے اپنے دونوں بھائیوں شیبہ اور ولید کو لے کر میدان میں اترا اور دعوت مبارزت دی- ان کے مقابلے میں تین انصاری- معاذبن حارث' عوف بن حارث اور عبداللہ بن رواحہ نکلے- جب یہ معلوم ہوا کہ یہ مقابلے میں آنے والے انصار ہیں تو انھوں نے متکبرانہ انداز میں کہا کہ "تم ہمارے جوڑ کے نہیں"- اس کے بعد انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے مقابلے میں' ہماری قوم (قریش) کے ہم سر آدمی بھیجو!"-

قریش کے مقابل قریش- اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری نوجوانوں سے فرمایا کہ تم اپنی صفوں میں واپس جاؤ- اب ان کے بنو اعمال ان کے سامنے آئیں گے- اور پھر اس کے ساتھ ہی آپؐ نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لیے- اے عبیدہ بن حارث کھڑے ہو جاؤ- اے حمزہ کھڑے ہو جاؤ اے علی کھڑے ہو جاؤ- حضرت عبیدہ بن حارث سب سے معمر تھے' وہ عتبہ کے مقابلے میں گئے- حضرت حمزہ نے شیبہ کا مقابلہ کیا- اور حضرت علیؓ نے ولید سے مبارزت کی-

بتایا جاتا ہے کہ جب مقابلہ ہوا تو کفار مکہ کے شہ زور جو مدینہ کے چرواہوں سے نہیں لڑنا چاہتے تھے بلکہ اپنے مقابلے کے آدمیوں سے مبارزت کرنا چاہتے تھے' وہ یہاں پر اپنے مدمقابل کی تاب نہ لا سکے- حضرت حمزہ نے اپنے مدمقابل شیبہ کا کام تمام کر دیا' اور حضرت علی نے ولید کو ڈھیر کر دیا- حضرت عبیدہ اور عتبہ کا مقابلہ برابر رہا- لیکن اس موقعہ پر حضرت علی نے جھپٹ کر حضرت عبیدہ کی بھی مدد کی اور عتبہ کو بھی جہنم واصل کیا-

غزوہ بدر کے آغاز میں کس کو کس نے قتل کیا' اس سلسلے میں معمولی تفاوت بھی ہے' ایک

Marfat.com

اور معتبر حوالے سے یوں بھی بتایا جاتا ہے کہ دعوت مبارزت کے بعد "حق اور باطل ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ تلوار پر تلوار پڑی۔ لڑائی کیا تھی گویا بجلی کے کوندے لپک رہے تھے۔ دونوں جانب کے لشکر دم سادھے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ دلاور سے دلاور' پہاڑ سے پہاڑ سے ٹکرا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہیں حضرت حمزہ کی تلوار نے عتبہ جیسے سورما کو زمین بوس کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ولید جیسے بہادر کو خاک سونپ دیا۔ شیبہ اور حضرت عبیدہ بن حارث مصروف پیکار تھے اور زخموں سے چور تھے۔ یہ دیکھ کر باقی دونوں ساتھی شیبہ پر پل پڑ اور اسے جہنم رسید کیا"۔ گویا اپنے سرداروں کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھ کر مشرکوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔

حضرت عبیدہ چونکہ ابتدائی مبارزت میں شدید زخمی ہو گئے تھے۔ اس لیے' حضرت علیؓ اپنے حریف کو جہنم واصل کرنے کے بعد حضرت عبیدہ کو اٹھا کر اپنے ساتھیوں میں لے آئے۔ اس کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے پر پل پڑے۔ مجاہدین نعرہ تکبیر کے ساتھ دشمن پر وار کرنے لگے "حضرت علیؓ شیر خدا نے صفیں کی صفیں الٹ دیں اور ذوالفقار حیدری نے چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا اور مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے"۔

اس اولین رزم حق و باطل میں صحابہ کرام اور کفار دو بدو لڑے۔ دلاوران کے اسلام میں حضرت حمزہ' حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ 'حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ حضرت مقداد ابن عمروؓ حضرت ابودجانہؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ شیروں کی طرح دشمنوں کو کاری ضربیں لگاتے رہے۔ اور اس طرح مسلمان مظفر و منصور ہوئے۔

غزوہ بدر میں جب حق و باطل آپس میں ٹکرا رہے تھے' اس وقت مجاہد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بہ نفس نفیس معرکہ میں شامل رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب "گھسان کا رن پڑا تو اکثر شجاع اور دلیر' جن میں میں بھی شامل تھا' مدافعانہ لڑائی لڑے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ قوت سے مشرکوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب ہمیں خطرات گھیر لیتے تو ہم آپؐ کی پناہ میں آ جاتے۔ آپؐ ہم میں سے سب سے زیادہ دشمن کے قریب ہوتے"۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس جنگ میں تمام بڑے بڑے اور متکبر کفار مارے گئے' لیکن صرف مہاجر اور آٹھ انصار شہید ہوئے۔ دشمنوں میں تقریباً ستر آدمی جہنم واصل ہوئے اور اتنے ہی اسیر ہوئے۔ ان مقتولین میں گیارہ وہ افراد بھی شامل تھے جو مکہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش میں بھی شریک تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ بہت سامال غنیمت بھی لگا۔ اس مال غنیمت میں سے ایک زرہ' ایک اونٹ اور ایک تلوار حضرت علیؓ کو ملی

Marfat.com

تھی۔

جنگ بدر میں حضرت علیؓ مسلمانوں کے اس ہراول دستے میں سب سے زیادہ جوان اور طاقتور اور بہادر تھے کہ جس میں حضرت حمزہ' حضرت عبیدہ بن حارث' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ شامل تھے۔ پھر جنگ کے پہلے ہی دو بدو اور فرد بمقابلہ فرد اور قریش بمقابلہ قریش میں حضرت علیؓ نے اپنے مدمقابل کو چند ثانیوں میں قتل کر کے حضرت عبیدہ کی مدد کی اور یہی نہیں بلکہ ان کے مقابلے میں آنے والے کو بھی جہنم واصل کیا اور پھر زخمی حضرت عبیدہؓ کو اپنے کندھے پر ڈال کر اپنے لشکر میں واپس بھی لے آئے تھے۔ اور گھسان کے رن میں قوت ایمانی کے ساتھ تلوار کے وہ جوہر دکھائے کہ ان کی کہیں اور مثال نہیں ملتی۔

غزوہ بنی سلیم میں علم برداری:۔ رمضان المبارک کے مہینے میں ابھی مسلمان غزوہ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ میں پہنچے ہی تھے کہ چھ سات دن کے اندر ہی بنی سلیم اور بنی غطفان کے لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف مقابلے کے لیے اجتماع کر لیا تھا۔ ان قبائل نے مسلمانوں کے خلاف مدینہ منورہ سے قریباً چھیانوے میل دور "الکدر" کے مقام پر اجتماع کیا تھا۔

مسلمانوں کو دشمنان دین کے جب اس اجتماع اور مقابلے کی تیاری کی خبر ملی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کی سرکوبی ضروری سمجھی' اور فوراً ہی مدینہ منورہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو اپنا نائب مقرر فرمایا' بعض نے حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کا نام بھی لکھا ہے۔ اس تعین کے بعد آنحضرت خود دو سو مجاہدوں کو ساتھ ۱۴ محرم سن ۳ ہجری کو الکدر کی جانب روانہ ہو گئے۔

دو سو مجاہدین کے اس لشکر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شامل تھے اور اس لشکر کا علم نبوی حضرت علیؓ اٹھائے ہوئے تھے۔ چند دنوں کے بعد جب حضرت علیؓ کی علم برادری میں یہ اسلامی لشکر الکدر کے مقام پر پہنچا تو اس وقت مسلمانوں کی یلغار کی خبر پا کر دشمنوں کا اجتماع منتشر ہو گیا تھا۔ لیکن اسلامی لشکر نے اجتماع دشمناں کے مقام سے قریباً پانچ سو اونٹوں پر مال غنیمت کے طور پر قبضہ کر لیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس مال غنیمت میں سے خمس نکال کر ہر ایک کو دو دو اونٹ ملے تھے۔ اس لشکر اسلامی نے الکدر کے مقام پر تین دن قیام کیا اور پھر یہی لشکر حضرت علیؓ کی علم برداری میں مدینہ منورہ پہنچ گیا تھا۔

دیگر چھوٹے غزوات میں بھی حضرت علی دیگر مجاہدین کی طرح بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے' اور اس کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ پر کسی طرف سے اچانک حملے کے پیش نظر بھی نگرانی اور

Marfat.com

حفاظت کی خاطر مستعد اور پرجوش رہے۔

غزوہ احد میں حضرت علیؓ کے کارنامے۔ کفار مکہ نے جنگ بدر میں اپنی شکست اور ہزیمت کے بعد مسلمانوں کو بھاری نقصان پہنچانے کے لیے قسمیں اٹھا رکھی تھیں۔ بہر صورت اب کفار مکہ نے مدینہ پر حملہ کی شدید تیاریاں کر لی تھیں۔ پھر ابوسفیان بن حرب نے کفار مکہ کی فوج کی سربراہی کر کے تین ہزار افراد کو لے کر وہ مدینہ کی جانب نکل کھڑا ہوا۔ اس لشکر کفار میں سات سو زرہ پوش' دو سو گھڑ سوار اور سترہ پرجوش اور رجز خوانی کرنے والی عورتیں بھی شامل تھیں۔ ڈھول' گانے کے آلات' شراب اور فاحشہ عورتیں بھی تھیں۔ لشکر کفار ۵ شوال ۳ ہجری کو روانہ ہوا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد قریش کا یہ لشکر مدینہ کے مقابل زی الحلیفہ میں احد کی سمت وادی میں اترنے لگا تھا۔

لشکر کفار کی آمد کی خبر پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی میں مسلمان مجاہدین بھی مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے مسلمانوں کو صبرو استقامت سے کام لینے کی تلقین فرمائی۔ اس بار بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم کو مدینہ میں حاکم تعین فرمایا تھا۔

تمام مسلمان صف بستہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آغاز میں اسلامی لشکر کے افراد کی تعداد قریباً ایک ہزار تھی' لیکن ثانوی مرحلے پر عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر الگ ہو گیا تھا۔

بہر صورت مسلمانوں کے اس لشکر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سپہ سالار اعظم خود بھی پوری طرح سے مسلح تھے۔ اور مزید کئی افراد زرہ پوش تھے۔ اوس کا ایک علم حضرت اسید بن حضیر کے ہاتھ میں تھا' دوسرا علم خزرج کا تھا اسے حضرت حباب بن منذر اٹھائے ہوئے تھے۔ اور پھر جنگ بدر کی طرح تیسرا علم جو مہاجرین کا تھا وہ حضرت علی بن ابی طالب کے ہاتھ میں تھا۔ اسلامی لشکر کے یہ تینوں علم اللہ کے رسول نے خود بنوائے اور تفویض کیے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ تینوں علم نیزوں پر نصب کیے گئے تھے۔

میدان احد میں پہنچ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہترین عسکری بصیرت کے ساتھ اسلامی لشکر کی صف بندی کی۔ پہاڑی پر پچاس تیراندازوں کا ایک اہم دستہ متعین کیا' اور ثابت قدم رہنے کی بھرپور تلقین بھی فرما دی۔

پھر ان ہدایات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار پیش کی' اور فرمایا "کون ہے جو اس تلوار کو اس کا حق ادا کرنے کے لیے لے لے؟"۔ اس پر بہت سے حضرات نے کھڑے

Marfat.com

ہو کر اپنے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ اور حضرت زبیر بے حد پرجوش تھے۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلوار حضرت ابودجانہ کے سپرد کی۔ اور فرمایا کہ اس کا حق ادا کرنا یہ ہو گا کہ اس سے دشمن پر حملہ کرتے رہو یہاں تک کہ یہ مٹ جائیں۔ حضرت دجانہؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ میں اسے قبول کرتا ہوں۔ ابودجانہ وہ تلوار حاصل کر کے نہایت پُروقار اور تفاخرانہ انداز میں چلتے ہوئے دوبارہ لشکر میں آ گئے۔

کفار کے علم برداروں کا حشر۔ اس کے بعد جب فریقین میدان احد میں صف آرا ہو گئے تو اس موقع پر ابوسفیان جو کفار مکہ کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ اس نے اسلامی لشکر میں سے اوس اور خزرج کو پکار کر کہا کہ تم لوگ ہم جد برادران کے درمیان سے ہٹ جاؤ' ہمیں خود براہ راست ان سے نبرد آزما ہو لینے دو۔ لیکن اس پر اوس اور خزرج قبائل کے سربراہوں نے اسے بہت برا بھلا کہا۔

اسی اثناء میں کفار میں سے طلحہ بن ابی طلحہ جھنڈا لہراتا ہوا نکلا اور مسلمانوں میں سے کسی کو مقابلے میں کے لیے للکارا۔ لیکن اس وقت اس کی للکار پر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مقابلے کے لیے نہ نکلا۔ اس موقع پر معمولی توقف کے بعد اسلامی لشکر میں سے حضرت علی میدان میں نکلے۔ انھوں نے طلحہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پھر تلوار کے وار سے اس کے پیر کاٹ دیئے' اس طرح طلحہ زمین پر گر پڑا اور اس کا ستر کھل گیا۔ اس کمزور اور کسمپرسی کی حالت میں طلحہ کو قتل کر دینا نہایت آسان کام تھا لیکن حضرت علیؓ اس حالت میں اس کا کام کیے بغیر اسے اسی حالت میں چھوڑ کر ہٹ گئے۔

کفار میں سے اب پہلے عثمان بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا تو اسے حضرت حمزہ نے گرا دیا' اور اس کا بازو بھی کاٹ دیا۔ پھر اسی جھنڈے کو ابوسعید بن ابی طلحہ نے اٹھا لیا تو اسے حضرت سعد بن ابی وقاص نے قتل کر دیا۔ پھر ایک بار دوبارہ طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا تو اسے حضرت علی نے قتل کر دیا۔ علیٰ ہذالقیاس کفار میں سے کئی سورما جھنڈا اٹھاتے اور مسلمان مجاہدین کو للکارتے رہے لیکن مجاہدین میں سے کوئی نہ کوئی ان کا کام تمام کرتا رہا۔ پھر جب ارطاق بن شرجی نے کفار کا جھنڈا سنبھالا تو اسے بھی حضرت علیؓ نے قتل کر دیا۔ اسی طرح پھر حبشی غلام صواب نے جھنڈا سنبھالا تو اسے بھی بڑی ہوشیاری کے ساتھ حضرت علیؓ نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد دشمنوں میں سے کسی نے جھنڈا نہ اٹھایا اور وہ علم کفر زمین پر ہی پڑا رہا۔ اس علم کو بلند رکھنے کی کفار کے گیارہ سورماؤں نے کوشش کی لیکن وہ سب قتل ہوتے گئے۔ اس طرح دشمن کے جب تمام علم بردار قتل ہو گئے تو کفار منتشر ہونے لگے' اس پر مسلمانوں نے

Marfat.com

شدید حملے کیے اور اس سے کفار دور بھاگتے گئے۔
اس کیفیت کو دیکھ کر مسلمانوں نے سمجھا کہ دشمن پسپا ہو گیا تو وہ مال غنیمت میں الجھ گئے۔ تیر اندازوں نے بھی اپنے مقام کو چھوڑ دیا تھا۔ لیکن کفار نے پلٹ کر بہت تابڑ توڑ حملہ کر دیا۔ اس سے اب مسلمانوں کا نقصان ہونے لگا۔ اس کے باوجود اللہ کا رسول ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مقام پر قائم رہا۔
مسلمان مجاہدین میں حضرت مصعب بن عمیر جن کا حلیہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا جلتا تھا جب وہ شہید ہوئے تو لوگوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ اڑا دی۔ اس افواہ پر مسلمان مجاہدین میں بد دلی پھیل گئی۔ لیکن چند ہی ثانیوں کے بعد یہ افواہ جھوٹ ثابت ہوئی۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود جنگ میں نبرد آزما تھے۔ دشمن کی جانب سے کئی پتھر آنحضرت کے قریب آکر گر رہے تھے۔ ان میں سے ایک پتھر اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آکر لگا جس سے آپ گر پڑے اور بے ہوش بھی ہو گئے۔
اس نازک ترین موقع پر حضرت علی نے بڑھ کر حضور علیہ الصلواۃ والسلام کو اپنے ہاتھوں پر تھام لیا۔ اس کے بعد حضرت طلحہ بن عبیداللہ نے آپ کو سہارا دیا آنحضرت سیدھے کھڑے ہو گئے۔ البتہ پتھر لگنے سے آپ کے نیچے کے چار دندان مبارک شہید ہو گئے تھے۔ آنحضرت کا سر مبارک بھی زخمی ہو چکا تھا۔
اس غزوہ بدر میں جو مسلمان خواتین شامل تھیں وہ چونکہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور پانی وغیرہ کا انتظام کر رہی ہیں انھیں جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت اور کیفیت کی خبر ہوئی تو وہ میدان میں آگئیں۔ ان میں حضرت فاطمہ بھی شامل تھیں۔ اس وقت حضرت فاطمہ آنحضرت کے زخم دھونے لگیں تو حضرت علیؓ پانی ڈالتے جاتے تھے۔
بہر صورت اب چونکہ جنگ کا نقشہ بدل چکا تھا' اس سے مسلمانوں کو لامحالہ شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ افواہ کے باعث جو سراسیمگی مسلمانوں میں پھیلی اس کے منفی اثرات مرتب ہوئے۔ مسلمان آپس میں بھی لڑنے لگے۔ لیکن جلد ہی بعد انھیں معلوم ہو گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ سلامت ہیں لیکن وہ صرف زخمی ہوئے ہیں تو پھر مسلمانوں کے گروہ نے واپس جاتے ہوئے کفار کا تعاقب کیا' لیکن کفار اپنی کامیابی کی خوشی میں دور نکل گئے تھے۔ اس جنگ میں مسلمان شہدا کی تعداد ستر اور مشرکین کی تعداد تئیس تھی۔
آپؐ کے ثابت قدم ساتھی۔ غزوہ احد میں جب کفار پتھروں کی بارش کر رہے تھے اس

Marfat.com

وقت حضور نبی اکرم بدستور تیر اندازی کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی کمان کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ اس دوران میں بھی آپؐ مجاہدین کی نسبت کفار کے زیادہ قریب تھے۔ حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ "جب جنگ کی آگ زیادہ شدت سے بھڑک اٹھتی تو ہم آنحضرت کی پناہ لیتے یعنی آپؐ کو کفار کے سامنے کر کے خود آپؐ کے پیچھے ہو جاتے"۔

کفار کی واپسی؟۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کو دبانے کے بعد جب لشکر کفار مکہ کی طرف واپس جا رہا تھا تو اس وقت مسلمانوں نے پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے واپس جاتے ہوئے پکار کر کہا تھا "آئندہ سال پھر بدر میں تم سے جنگ ہو گی۔" آنحضرت نے ایک صحابی سے فرمایا کہ کہہ دو ہاں ہمارے تمھارے درمیان پھر یہیں جنگ ہو گی۔

اس کے بعد حضور نبی اکرم نے حضرت علی بن ابی طالب کو بھیجا اور فرمایا کہ جا کر کفار مکہ کا حال دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں' اور اب ان کا کیا ارادہ ہے "اگر وہ گھوڑوں کو پیدل چھوڑ کر اونٹوں پر سوار ہو رہے ہیں تو سمجھو کہ وہ مکہ قصد رکھتے ہیں' اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر اونٹوں کو پیدل ہانک رہے ہیں تو وہ مدینہ کا قصد کر رہے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے' اگر انھوں نے مدینہ کا رخ کیا تو میں وہیں پہنچ کر ان سے جنگ کروں گا"۔

اس سلسلے میں حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق میں کفار مکہ کے پیچھے نکلا کہ دیکھوں وہ کیا کرتے ہیں۔ دیکھا تو انھوں نے گھوڑوں کو کوتل رکھا ہے اور اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ طرف جا رہے ہیں۔ بہر صورت حضرت علیؓ نے قافلہ کفار کا دیر تک تعاقب جاری رکھا تھا۔

غزوہ احد میں مسلمانوں کو دشمن کی طرف سے قتل و زخم کی جو مصیبت پیش آئی تھی' اس کے پیش نظر اللہ کے رسولؐ نے مسلمانوں کو ایک بار پھر جہاد کی تلقین کی اور ڈھارس بندھائی کہ غمگین اور متاسف ہونے کی کوئی بات نہیں "اگر تم لوگ پکے مومن رہے تو آخر فتح و نصرت تمھاری ہی ہو گی"۔

غزوہ حمراء الاسد میں علم برداری۔ غزوہ احد میں حضرات امیر حمزہ' علی' زبیر' ابوبکر' عمر' نضر بن انس' سعد بن ربیع' سعد بن معاذ' سعد بن عبادہ' عبداللہ ابن جحش' معصب بن عمیر' طلحہ بن عبیدہ' ابودجانہ اور سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے بہادری اور جرات کے بے پناہ جوہر دکھائے۔ حضرت علیؓ کا کردار اس جنگ احد میں مثالی تھا' وہ آپؐ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے ساتھیوں میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ مسلمان ابھی غزوہ احد سے

Marfat.com

واپس ہوئے ہی تھے۔ کہ قریش کی جانب سے اس امر کا خدشہ ہوا کہ وہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اور احد سے لوٹنے والے مسلمانوں پر وہ ایک اور ضرب لگانا چاہتے ہیں۔ اس صورت حال کی خبر ہونے پر حضور نبی اکرم مدینہ سے قریباً آٹھ میل دور حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے۔

اس وقت بھی لوائے نبوی حضرت علیؓ نے اٹھا رکھا تھا اور مدینہ میں عبداللہ ابن مکتوم نائب متعین ہوئے تھے۔ مقام حمراء الاسد پر پہنچ کر مسلمانوں کا وہی احد والا لشکر تین دن تک ٹھہرا رہا۔ مسلمان ان راتوں میں پانچ سو مشعلیں روشن کرتے رہے تاکہ دور سے یہ روشنی نظر آتی رہے اور ان کے لشکر کی آوازیں اور روشنی ہر سمت پھیلتی رہے۔ اور اس سے دشمن کو مسلمانوں کے لشکر کی مستعدی اور عزائم کا پتا چلتا رہے۔ بہر صورت دشمن یہاں سے کچھ ہی فاصلے پر ہونے کے باوجود مدینہ پر حملہ کرنے کی جرات نہ کر سکے۔ پس اللہ نے مسلمانوں کے دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر دیا۔

غزوہ بنی نضیر میں علمبرداری۔ ماہ ربیع الاول ۴ ہجری میں یہودیوں کے ایک قبیلہ بنی نضیر نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے مضبوط قلعے بنا لیے تھے۔ یہ قلعے مدینہ سے چند ہی میل کے فاصلے پر تھے اور وہاں کے یہودیوں کے عزائم اچھے نہیں تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں اب وعدوں کی پاسداری کا دھیان بھی نہیں رہا تھا اس پر مستزاد یہ کہ انھیں یہ بھی زعم تھا کہ مدینہ کے منافقین اور مکہ کے کفار بھی اب ان ہی کی مدد کریں گے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ حفاظت خود اختیاری اور سیاسی پیش بندی کے لیے اس خطرے سے پہلے ہی نمٹ لیں۔

لہٰذا ربیع الاول ۴ ہجری میں حضور نبی اکرم اپنے صحابہ کرام کو لے کر قبیلہ بنی نضیر کی جانب روانہ ہوئے۔ اس وقت بھی اسلامی لشکر کا جھنڈا حضرت علیؓ کے سپرد کیا گیا تھا۔ جب بنو نضیر کے میدان میں مسلمان پہنچ گئے تو اس وقت دشمنوں نے قلعہ پر چڑھ کر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ بہر صورت مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی اور دشمنوں کا شدید محاصرہ کر لیا' اس کے ساتھ ہی اردگرد کے کھجوروں کے باغات کو بھی کٹوا دیا تھا۔

اللہ کے رسول اور آپؐ کے ساتھیوں نے پندرہ دن تک محاصرہ جاری رکھا۔ بالآخر وہاں کے یہودیوں نے اپنے ساز و سامان کے ساتھ وہاں سے جلا وطن ہونا قبول کر لیا تھا' اور پھر وہ قریباً چھ سو اونٹوں پر اپنا سامان لاد کر وہاں سے چل دیئے تھے۔ "ان کے چھوڑے ہوئے سامان' زرہوں اور اسلحہ پر آنحضرت نے قبضہ کر لیا' اس میں پچاس زرہیں پچاس خود اور تین سو

Marfat.com

چالیس تلواریں آپؐ کے ہاتھ لگیں"۔ وہاں سے جو دولت ملی وہ مہاجرین میں اس نقطہ نظر سے تقسیم کر دی تھی کہ وہ خود کفیل ہو سکیں اور انصار ان کا مزید بوجھ اٹھانے سے بری الذمہ ہو سکیں۔

غزوہ بنو نضیر میں اگرچہ شدید جنگ و جدل کا موقع نہیں آیا لیکن محاصرے کے دوران میں عزوک جو بنو نضیر بہادر تیر انداز تھا اسے حضرت علیؓ نے قتل کر دیا تھا۔ پھر آنحضرت نے ابودجانہ اور سہل بن حنیف کو دس مجاہدین کی جماعت کے ساتھ حضرت علی کے ہاتھ سے بچ کر نکل جانے والوں کی تلاش میں روانہ کیا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کو پکڑ کر بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ وہاں سے بنو نضیر کے کچھ لوگ خیبر میں بھی جا کر آباد ہو گئے تھے۔

غزوہ خندق۔ ماہ شوال ۵ ہجری میں غزوہ خندق یعنی غزوہ احزاب کا واقعہ پیش آیا۔ بنو نضیر کی جلا وطنی کے بعد اس قبیلہ کے لوگوں نے قریش مکہ کے ساتھ ساز باز کر کے انھیں اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ کفار قریش تو پہلے ہی مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے' اس لیے انھیں ایک بار پھر مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کا موقع مل رہا تھا۔ اس حوالے سے جنگ کے لیے یہود اور قریش باقاعدہ ایک معاہدے کے تحت شریک ہوئے تھے۔ اس معاہدے میں یہودیوں اور قریش نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو جنگ کر کے مدینہ سے نکال باہر کیا جائے۔ اس تحریک کے بعد کفار قریش مکہ سے مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے تھے۔ قریش' حبشیوں اور یہودیوں کی اس مشترکہ فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔ لیکن ان کے مقابلے میں صرف تین ہزار مسلمان مجاہدین تھے۔

مسلمانوں کو جب اس امر کی خبر پہنچی تو حضور نبی اکرم کی رہنمائی میں انھوں نے اب کی بار مدینہ ہی میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر حضرت سلمان فارسی کے مشورہ کے مطابق مدینہ کے اطراف میں خندق کھود لی گئی۔ مسلمان مجاہدین نے قریباً سات سو چالیس گز لمبی' ساڑھے دس فٹ گہری اور ساڑھے تیرہ فٹ چوڑی خندق کھود کر جغرافیائی نقطہ نظر سے مدینہ کو محفوظ کر لیا تھا۔

حضرت علیؓ کے مقابلے۔ مدینہ کے گرد اس خندق کے حوالے سے جب قریش مکہ پہنچے تو انھوں نے ایک نئی ہی صورت حال دیکھی' لیکن اس کے باوجود اہل قریش نے خندق کے قریب آ کر اجتماع کر لیا۔ مسلمان اس خندق کے اس پار ہمہ وقت اپنی حفاظت کرتے رہے۔ اور دشمنوں کی فوج بھی محاصرے پر ڈٹی رہی۔

قریشی لشکری گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق کو پار کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک مقام سے خندق کی چوڑائی قدرے کم تھی' اس لیے وہاں سے کچھ قریش عبور کر کے ایک پہاڑی دلدل

Marfat.com

میں پھنس گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ مسلمانوں کی ایک جماعت لے کر ان پر حملہ آور ہوئے اور خندق عبور کر کے جس کنارے پر کفار نے قبضہ کر لیا تھا' اسے لڑ کر ان سے واپس لے لیا۔

کفار کے سپاہیوں میں ایک عمرو بن عبدود تھا۔ عمرو کو عربوں میں ایک ہزار آدمیوں کے برابر طاقت ور سمجھا جاتا تھا۔ عمرو نے خندق پار کر لینے کے بعد کہا کہ جنگ ایک کے مقابلے میں ایک کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ اس لیے عمرو کے مقابلے میں حضرت علیؓ میدان میں نکل آئے۔ عمرو حضرت علیؓ سے عمر میں بڑا تھا۔ عمرو نے حضرت علیؓ کو پہچان لیا اور بتایا کہ میں تمھارے ساتھ نہیں لڑنا چاہتا کیونکہ میں نے تمھیں بچپن میں اپنے ہاتھوں سے کھلایا ہوا ہے۔ لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تو تم سے لڑنا چاہتا ہوں۔ اس پر عمرو نے حضرت علیؓ کے سر پر تلوار سے وار کیا۔ حضرت علیؓ کو معمولی زخم آیا۔ جواب میں حضرت علیؓ نے وار کیا۔ حضرت علیؓ کے وار سے عمرو کی ایک ٹانگ کٹ گئی۔ عمرو لڑکھڑا کر رہ گیا۔ عمرو بھی ماہر اور تجربہ کار تھا' اس نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ اٹھا کر حضرت علیؓ پر دے ماری۔ حضرت علیؓ دشمن کے اس وار سے بھی بچ گئے' اور پھر جوابی وار میں عمرو کو ڈھیر کر دیا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس وقت عمرو کی عمر نوے سال تھی۔ اس دشمن دین کی لاش دس ہزار کی پیش کش پر مسلمانوں سے حاصل کی گئی تھی۔

عمرو کے ساتھ نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ نے بھی خندق پر کر لی تھی۔ اسے تو مسلمان مجاہدین نے پتھر مار مار کر گھائل کر دیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس نے پکار کر کہا "اے جماعت عرب! اس نیم جانی سے قتل کر ڈالنا بہتر ہے"۔ پس حضرت علیؓ نے خندق میں اتر کر اس کا بھی کام تمام کر دیا۔

غزوہ خندق میں کفار قریش نے تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا' اور فریقین کے درمیان تیز اندازی بھی ہوتی رہی۔ بتایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایک سال سے زیادہ مدت کے لیے غذائی ذخائر موجود تھے۔ اس وقت تک کفار قریش بھی محاصرہ سے تنگ آ چکے تھے' ان کی رسد اور ذخائر ختم ہو رہے تھے۔ اس وقت تک موسم برسات بھی شروع ہو گیا تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں بھی کفار کا نقصان کرنے لگی تھیں۔ اس لیے وہ لوگ مزید انتظار کیے بغیر اپنا ہر طرح کا غرور اور تکبر بھول کر ویران صحراؤں میں غلطاں ہو گئے تھے' لیکن طوفان باد و باران ان کے ساتھ ساتھ ہی چلتا گیا۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں ہر طرح کے نقصان سے بچا لیا تھا۔ صرف چھ مجاہدین شہید ہوئے تھے۔ تین مشرکین مارے گئے' ان میں سے دو کو حضرت علی ہی نے جہنم واصل کیا تھا۔

غزوہ بنی قریظہ میں کردار۔ بنو قریظہ کے یہودی مدینہ کے قریب آباد تھے' لیکن انھوں

Marfat.com

نے میثاق مدینہ میں شامل ہونے کے باوجود عہد شکنی کرتے رہنا اپنا معمول بنا لیا تھا' اور وہ بار بار کفار کی جماعتوں کے ساتھ مل جاتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں کفار کی اعانت کرتے تھے۔ اللہ کے رسول نے ابھی غزوہ خندق سے فراغت حاصل کی تھی کہ آنحضرت کو اطلاع ہوئی کہ نبی قریظہ کے لوگ اپنی دشمنی کے باعث مسلمانوں کے لیے ایک مسئلہ بن گئے تھے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی بھی کرنا شروع کر دی تھی۔ لہٰذا اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلد ہی بنو قریظہ کی طرف جانے کا اعلان کر دیا بتایا جاتا ہے کہ اس وقت حضرت علیؓ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت لے کر بنو قریظہ کے قلعہ کے پاس سب سے پہلے پہنچ گئے تھے۔ اور وہاں پر جا کر جھنڈا گاڑ دیا تھا۔

وہاں پر پہنچ کر حضرت علیؓ نے سنا کہ لوگ ازواج مطہرات اور اللہ کے رسول کی شان میں گستاخانہ کلام کر رہے تھے۔ اس امر کی اطلاع کرنے کی غرض سے حضرت علیؓ اللہ کے رسولؐ کے پاس جانے والے تھے کہ راستے ہی میں ملاقات ہو گئی۔ اس پر حضرت علیؓ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے پاس جانے سے منع کرنے کی کوشش کی۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ مجھے دیکھ کر کوئی بات نہیں کر سکیں گے۔

بہر صورت مسلمانوں نے بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ پچیس دن تک یہ محاصرہ جاری رہا۔ اس دوران میں ان یہودیوں نے بخوبی یہ محسوس کر لیا تھا کہ اب ان سب کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں پہلے تو ان یہودیوں نے کسی طرح کی حکم عدولی کے بارے میں سوچا لیکن پھر یہ عندیہ پہنچایا کہ ان لوگوں کا معاملہ اور فیصلہ حضرت سعد بن معاذ پر چھوڑ دیا جائے۔ لہٰذا حضرت سعد بن معاذ نے فیصلہ سنایا کہ ان میں جو شخص جنگ کے قابل ہے عہد شکنی کے باعث اسے قتل کرا دیا جائے ان کے متعلقین کو قیدی بنا لیا جائے اور سازو سامان مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ لہٰذا اس فیصلے پر عمل کیا گیا۔

غزوہ بنی قریظہ میں حضرت علیؓ کی یہ امتیازی شان تھی کہ وہ اپنا دستہ اور جھنڈا لے کر سب سے پہلے قلعہ قریظہ کے پاس پہنچے اور وہاں پر جھنڈا نصب کیا تھا۔

حضرت علیؓ کا ایک چھاپا۔ پانچ اور چھ ہجری کے دوران میں مدینہ میں مسلمان کئی چھوٹے بڑے غزوات اور سرایہ میں مصروف رہے۔ ان میں حضرت علی بھی اپنا بہتر کردار ادا کرتے رہے۔ شعبان ۶ ہجری میں اللہ کے رسول نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو ایک سو مجاہدین کی کمان دے کر بنی سعد بن بکر کی طرف روانہ کیا۔ یہ لوگ خیبر کے یہودیوں کی مسلمانوں کے

Marfat.com

خلاف مدد کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کی سرکوبی اور خبر لینے کے لیے حضرت کو بھیجا گیا تو انھوں نے ان لوگوں پر بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ چھاپا مارا۔ تو وہ لوگ ڈر کر بھاگ گئے۔ ان کے ساتھ ہی وہاں کے کئی چرواہے بھی ڈر کر فرار ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں نے ہاتھ بہت سے جانور لگے۔ ان میں پانچ سو اونٹ اور دو سو بکریاں بھی شامل تھیں۔ اس مال غنیمت کے ساتھ حضرت علیؓ واپس مدینہ میں آ گئے تھے۔

راقم معاہدہ حدیبیہ۔ ۶ ہجری میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پندرہ سو ساتھیوں کے ساتھ عمرہ اور حج بیت اللہ کے لیے مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اس قافلہ کے پاس صرف سفری حفاظتی ہتھیار ہی تھے۔ اس قافلے کی روانگی کی جب اہل قریش کو خبر ہوئی تو انھوں نے اس قافلے کو روکنے کی قسمیں کھائیں۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصوہ پر سوار تھے۔ آپؐ کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت زیدؓ حضرت بلالؓ اور بدر۔ احد اور جنگ خندق کے ساتھی مجاہدین بھی تھے۔

عین ممکن ہے کہ جب مسلمان مکہ میں پہنچتے تو اس وقت اہل قریش مشتعل ہو کر فساد پیدا کرتے، اس لیے دونوں فریقین کی خواہش کے مطابق ایک معاہدہ امن طے پا گیا۔ جو نہی اس معاہدہ کی شرائط طے پا لی گئیں اسے تحریری صورت میں لانے کا وقت آیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو معاہدہ تحریر کرنے کے لیے کہا۔ پھر آپؐ نے سہیل بن عمرو کی موجودگی میں معاہدہ لکھوانا شروع کیا۔ گویا معاہدہ عربوں کے عام رواج اور فریقین کے معروف ناموں کے ساتھ ہی تحریر کیا گیا۔ اس معاہدے کے تحت دس سال کے لیے جنگ نہ کرنا تسلیم کر لیا گیا تھا۔ مسلمانوں کی جانب سے اس معاہدے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گواہوں کے طور پر حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت ابوبکرؓ نے دستخط کیے۔ اس معاہدے کے آخر میں یہ بھی لکھا گیا کہ "یہ معاہدہ علی بن ابی طالب نے تحریر کیا ہے"۔

فاتح خیبر۔ خیبر کا سرسبز و شاداب علاقہ مدینہ منورہ سے شام کی جانب چھیانوے میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بنیادی طور پر یہ ریگستانی علاقہ ہے۔ یہودیوں نے یہاں پر اپنی حفاظت کے لیے کئی قلعے بنا رکھے تھے۔ خیبر کے یہودی خود بھی جنگ جو اور بہادر لوگ تھے، ان کے ساتھ ساتھ سے مدینہ سے بھاگ کر آنے والے کئی یہودی قبائل نے بھی خیبر ہی میں رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ لڑائی کے وقت یہ یہودی اپنے قلعوں کا استعمال کرنا خوب جانتے تھے۔ ان کے قلعوں کی تعداد سات یا اس سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ کئی ذیلی قلعے بھی تھے۔ خیبر کے یہودیوں کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بہت مکار اور دھوکا باز ہوتے ہیں۔ اس

Marfat.com

کے ساتھ ساتھ مسلمان ویسے بھی اب اڑوس پڑوس کے دشمنوں سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کر لینا چاہتے تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی طرف جہاد کے لیے مسلمانوں کو بلا لیا تھا۔

لہٰذا ۷ ہجری میں سولہ سو مجاہدین کی فوج خیبر کی طرف روانہ ہوئی۔ اس فوج اسلامی میں گھڑ سوار بھی شامل تھے۔ اللہ کے نبی کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت حارث پیش پیش تھے۔ مدینہ سے خیبر تک کا عمومی پانچ دن کا فاصلہ اس اسلامی لشکر نے تین دن میں طے کر لیا تھا۔ اس وقت تک خیبر کے یہودیوں نے اپنے اموال اور اہل و عیال کو ایک قلعہ کتیبہ میں جمع کر دیا تھا۔ اس وقت اسلامی لشکر میں حضرت حباب بن منذرؓ اور سعد بن عبادہؓ علم بردار تھے۔ شب خون مارنے اور دشمن کی چال سے بچنے کے لیے مسلمانوں نے خیبر کے گرد و نواح سے چار سو کھجور کے درخت کاٹ دیئے۔ پھر اسی روز سخت جنگ ہوئی۔ قلعہ بند یہودی تیر اندازی کے جوہر دکھاتے رہے۔ پھر اسی طرح سات دن تک مسلسل لڑائی ہوتی رہی۔ لیکن یہودیوں کا سب سے بڑا قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔

حضرت علی کو علم ملتا ہے۔ لشکر خیبر میں اس وقت اگرچہ حضرت علیؓ شریک اور شامل تھے، لیکن دو ایک دن تک آپؓ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ انھیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صبح بلا بھیجا اور ان کی آنکھوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب لگا کر اپنا لوائے نبوی ان کے سپرد کیا، اور اس کے ساتھ ان کے حق میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا بھی فرمائی کہ "اے میرے خالق و مالک! علی کو گرمی اور سردی سے محفوظ رکھنا"۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے بعد نہ تو کبھی عارضہ چشم لاحق ہوا اور نہ کبھی گرمی سردی ہی کی پرواہ رہی۔

حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفید علم نبوی لیتے ہوئے فرمایا کہ "میں ان یہودیوں سے جنگ کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ وہ ہم جیسے ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کر لیں)۔"

پھر آنحضرت نے فرمایا: "اے علی۔ اپنا کام نہایت متانت و وقار سے شروع کرو، اس طرح کہ دشمن کے میدان میں اتر کر پہلے ان پر اسلام پیش کرو، اگر وہ تمھاری دعوت اسلام قبول نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرو۔ خدا کی قسم اگر حق تعالیٰ تمھارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت فرما دے تو یہ تمھارے حق میں سرخ اونٹوں سے بھی کہیں بہتر ہو گا"۔

اس کے بعد حضرت علی روانہ ہوئے اور قلعہ تک پہنچ کر قلعہ کے نیچے اپنا جھنڈا گاڑ دیا۔

Marfat.com

پھر قلعہ والے یہودی ان کے مقابلے کو نکلے۔ ''ان میں سب سے پہلا باہر آنے والا مرحب کا بھائی حارث تھا جو بہادری میں بڑا مشہور تھا۔ حضرت علی نے اسے جلد ہی قتل کر دیا۔ اور باقی یہودی قلعہ ناعم کے اندر چلے گئے''۔

پھر مقابلے کے لیے خود مرحب نکلا۔ اس نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ اس کے پاس دو تلواریں تھیں۔ دو عمامے باندھ رکھے تھے۔ عماموں پر ایک خود اور پتھر باندھے ہوئے تھے۔ ایک نیزہ اس کے ہاتھ میں تھا اور تلواریں اس کے پہلوؤں میں حمائل تھیں۔ مرحب نے حضرت علی پر حملہ کیا' اس سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال نیچے گر گئی۔ اس پر حضرت علیؓ نے فوراً قلعہ کے پاس کے ایک دروازے کو اکھاڑ کر ہاتھ میں پکڑ لیا اور اسے اپنے بچاؤ کے لیے بطور ڈھال استعمال کرنے لگے۔ اس طرح حضرت علی اس دروازے کو لیے ہوئے برابر دشمن کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے یہ قلعہ آپؓ کے ہاتھ پر فتح فرما دیا۔ ''پھر حضرت علیؓ نے مرحب پر وار کیا' جسے اس نے ڈھال پر روکا' اور حضرت علیؓ کی تلوار کا بھرپور ہاتھ اس کی ڈھال پر پڑا جس سے اس کے پرخچے اڑ گئے۔ اس کی خود والے پتھر اور ہر دو عماموں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے' اس کا مونڈھا کٹ گیا۔ جس کے بعد اس نے اپنی تلوار اپنے دانتوں سے پکڑ لی''۔ اور اس کے بعد مرحب میں مزید مقابلہ کی ہمت نہ رہی اور سیدھا جہنم واصل ہو گیا۔

حضرت علی کے ہاتھ پر سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح ہوا۔ پھر قلعہ قموص فتح ہوا ''مسلمانوں اور یہود میں برابر جنگ کے شعلے بھڑکتے رہے اور مسلمان پیہم قلعے فتح کرتے چلے گئے' یہاں تک کہ انھوں نے (حضرت علیؓ کی قیادت میں) تمام قلعے فتح کر لیے''۔

غزوہ خیبر میں ترانوے یہودی مارے گئے اور پندرہ مسلمان شہید ہوئے۔ خیبر کے علاقوں سے مسلمانوں کو بہت سا مال' اجناس اور مویشیوں کے لیے ذخیرہ میسر آیا۔ مسلمانوں کو یہاں سے بہت سا جنگی سازو سامان اور تورات کے کئی نایاب نسخے بھی ملے۔ لیکن یہودیوں کے مطالبے پر صحیفہ تورات کے نسخے ان لوگوں کو واپس کر دیئے گئے تھے۔

چمکی حیدر کی تلوار۔ غزوہ خیبر میں حضرت علیؓ کی جرات و بہادری اور طاقت و عظمت سب سے زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ یہاں پر حضرت علیؓ سے پیشتر قلعہ کو فتح کرنے کے لیے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک بھرپور حملہ کیا' لیکن دشمنوں نے ان پر جوابی کارروائی کر کے انھیں قلعے کی دیوار پر چڑھنے نہیں دیا تھا۔ پھر ایک حملہ حضرت عمر نے بھی کیا' لیکن دشمن نے ان کے حملے کو بھی روک لیا تھا۔ لیکن ان کے بعد جب حضرت علی بن ابی طالب نے ایک

Marfat.com

نہایت زور دار حملہ کیا۔ ان کا یہ حملہ کامیاب رہا۔ جلد ہی انھوں نے دشمنوں کی صفوں میں شگاف ڈال دیا۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس کامیابی پر حضرت علیؓ خود بھی فرط جذبات اور تائید ایزدی کے باعث بول اٹھے تھے کہ "میں علی، شیر خدا ہوں۔ میں اللہ کے دشمنوں کا خاتمہ کر دوں گا"۔

جہاں تک مرحب کے ساتھ حضرت علی کے محاربے کا واقعہ ہے، وہ بھی بڑا ہی پر شکوہ اور قوت و ہمت کا مقابلہ تھا۔ مرحب عربوں کا ایک بہت بڑا جنگ جو اور تلوار اور نیزہ بازی کا ایک ماہر دھنی تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے آپ کو دوہری آہنی زرہوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ حضرت علی کی خود اور آہنی ڈھال چمک رہی تھی، اور ان کے ہاتھ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار "ذوالفقار" تھی۔ حضرت علیؓ قدرے جوان اور مضبوط جسم و جان کے مالک تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انھیں اپنے اللہ پر ایمان اور بھروسہ تھا۔ ان کے مقابلے میں مرحب یہودی طاقت ور، گھمنڈی، ہر طرح سے مسلح اور خود بھی طویل القامت تھا۔ اس سے پیشتر اسے کبھی کسی نے شکست نہیں دی تھی، اس لیے غرور ہمیشہ اس کے سر پر سوار رہتا تھا۔

دو بدو جنگ میں مرحب نے حضرت علی کے مقابلے میں آکر وار کرنے میں پہل کی۔ حضرت علی اس کے قوت بھرے شدید وار سے اپنی مہارت اور ذہانت سے بچ گئے۔ اور پھر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ حیدر کی تلوار چمکی۔ مرحب کے سر پر حضرت علی نے وار کیا۔ تلوار کی کاری ضرب سے مرحب کا سر دو ٹکڑے ہو کر شانوں پر لڑھک گیا۔ اس طرح یہودیوں کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔

بتایا جاتا ہے کہ حضرت علی کی جب آہنی ڈھال ٹوٹ گئی تو انھوں نے قلعے کے جس دروازے کو اکھاڑ کر اپنی ڈھال بنا لیا تھا، وہ دروازہ بہت بھاری بھر کم لوہے کی میخوں سے جڑا ہوا تھا۔ اس مضبوط دروازے کو اکھاڑنا، اور پھر صرف ایک ہاتھ میں اٹھا کر بطور ڈھال اسے استعمال کرتے رہنا یہ کسی عام سورما کی قوت و طاقت سے باہر تھا، لیکن اللہ کے شیر نے یہ سب کچھ کر دکھایا۔ اس کے بعد یہودی خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جو تلوار کی زد میں آئے وہ جہنم رسید ہوئے اور جو نہ بھاگ سکے انھیں قیدی بنا لیا گیا۔

خیبر شکن۔ غزوہ خیبر کئی اعتبار سے زیادہ اہمیت اور تاریخی حیثیت ہے۔ خیبر کو یہودیوں نے ایک مضبوط قلعہ نما بستی کا روپ دے رکھا تھا۔ یہاں پر متعدد فوجی قلعے تھے اور پھر ہر قلعے کے ساتھ کئی ضمنی حفاظتی قلعے بھی موجود تھے۔ ان قلعوں میں وہاں پر وافر اسلحہ اور جنگی سازو

Marfat.com

سامان بھی بر وقت حاضر رہتا تھا۔ ویسے بھی ان علاقوں کے یہودی دیگر اقوام کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور منظم تھے۔ خیبر میں صرف اسی وادی کے یہودی نہیں تھے بلکہ مدینہ کے گرد و نواح سے جو یہودی میثاق مدینہ سے بھاگ گئے تھے' وہ بھی خیبر ہی میں آکر آباد ہو چکے تھے۔ اس لیے ان لوگوں کی جنگی قوت دو چند ہو چکی تھی۔

مدینہ منورہ میں اللہ کے رسول اور مسلمانوں کے کفار کے بعد یہودی ہی سب سے بڑے دشمن اور مستقل خطرہ تھے' اور ان یہودیوں کا سب سے بڑا گڑھ وادی خیبر ہی تھی۔ اس اعتبار سے یہودیوں پر قابو پانا مسلمانوں کے لیے ایک ناگزیر امر تھا۔ لہٰذا خیبر کے یہودیوں پر مسلمانوں کے غلبہ اور تسلط میں حضرت علیؓ بن ابی طالب کا کردار سب سے اہم ہے' کیونکہ انھوں نے اس جنگ میں اپنی بہادری شجاعت' قوت' بے جگری اور والہانہ دینی وابستگی کا اظہار فرماتے ہوئے یہودیوں کے قلعوں کو فتح کیا تھا۔ اسی حوالے سے حضرت علی کو خیبر شکن کا خطاب بھی دیا جاتا ہے۔

فتح مکہ۔ رمضان المبارک کے مہینہ ۸ ہجری میں معاہدہ حدیبیہ پر بدستور عمل ہو رہا تھا۔ اس دوران میں قریش مکہ نے مکی سردار ابوسفیان کو مدینہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی مسلمانوں کو بتا دیا تھا کہ مکہ سے ابوسفیان معاہدہ حدیبیہ کی مدت بڑھانے اور اس معاہدے کے مزید استحکام کے لیے آئے گا۔ اس مقصد کے لیے ابوسفیان مدینہ منورہ میں پہنچا۔ چند ایک واسطوں کے بعد وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور آپ سے تجدید معاہدہ اور جنگ بندی کی مدت میں توسیع کی درخواست کی۔ لیکن اس سلسلے میں آنحضرت نے انھیں کوئی جواب نہ دیا۔

اس ناکامی پر ابوسفیان نے پہلے حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر بن خطاب کو بھی وسیلہ بنانے کی کوشش کی۔ ان کے بعد ابوسفیان اسی حالت میں حضرت علی بن ابی طالب کے پاس پہنچے۔ پھر ابوسفیان نے بیان کیا۔ "اے علی! آپ تمام قوم سے زیادہ مجھ پر مہربان اور سب سے زیادہ میرے قریبی عزیز ہیں۔ میں آپ کے پاس ضرورت سے آیا ہوں۔ وہ ضرورت یہ ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میری سفارش کر دیں"۔

ابوسفیان کی اس عرض پر حضرت علی نے جواب دیا "اے ابوسفیان۔ تم پر افسوس ہے۔ واللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عزم فرما لیا ہے۔ اس لیے ہماری مجال نہیں کہ آپؐ کے سامنے لب کشائی کر سکیں"۔ اس کے بعد ابوسفیان نے محترمہ فاطمۃ الزہرا سے سفارش بھی کرانے کی کوشش کی۔ لیکن انھوں نے بھی فرمایا کہ "آنحضرت سے بالا ہو کر کوئی

Marfat.com

بھی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا"۔

اس صورت حال کو دیکھ کر ابو سفیان کہنے لگے "اے ابوالحسن میں دیکھ رہا ہوں کہ معاملہ ہمارے خلاف شدت اختیار کر چکا ہے۔ پس آپ ہی مجھے نصیحت کریں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے"۔ اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا" واللہ! میں خود کوئی ایسی تدبیر نہیں جانتا جو آپ کو بچا سکے۔ لیکن آپ بنی کنانہ کے سردار ہیں' اس لیے کھڑے ہو جایئے اور باہم لوگوں میں صلح پسندی کا اعلان کر دیں۔ پھر اپنے شہر کو لوٹ جائیں"۔

پس اس کے بعد ابو سفیان مسجد میں پہنچے اور اعلان کیا "اے لوگو! میں آپس میں صلح کا اعلان کرتا ہوں"۔ اس اعلان کے بعد ابو سفیان اپنے اونٹ پر سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ لیکن اس دوران میں مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مکہ پر چڑھائی کے لیے لشکر جرار کی تیاری میں مصروف رہے۔ اور پھر اسلامی لشکر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

خفیہ خط کو پکڑنا۔ اسی اثناء میں بنو اسد کے حلیف حضرت حاطب بن ابی بلتعہ بدری نے قریش کو ایک خفیہ لکھا۔ اس خط میں مکہ پر مسلمانوں کی یلغار کی خبر دی گئی تھی۔ اس خط کو ایک عورت سارہ خفیہ طور پر مکہ پہنچانے کے لیے روانہ ہو گئی تھی۔ سارہ نے یہ اہم خط اپنے بالوں کی مینڈھیوں میں چھپا رکھا تھا تاکہ وہ خفیہ خط کسی پر مطلع نہ ہو۔

حاطب کے اس خفیہ خط کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اطلاع ہو چکی تھی۔ لہٰذا آپؐ نے حضرت علی اور حضرت زبیر بن عوام کو اس کے پیچھے روانہ فرمایا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تم جا کر اس عورت کو تلاش کرو اور اس خط کو حاصل کر کے اسے جانے دو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق دونوں صحابہ کرام اس عورت کو ڈھونڈنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہ جلد ہی اس عورت کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس عورت کا احاطہ کرنے کے بعد اسے اونٹ سے اترنے کے لیے کہا گیا۔ اس کے کجاوہ کی تلاشی لی گئی' لیکن وہاں سے وہ مطلوبہ خط نہ ملا۔

اس عورت کی ہوشیاری اور چالاکی پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جھوٹی خبر [illegible] ہے اور [illegible] نے جھوٹ [illegible] ہے۔ اس لیے بہتر [illegible] کہ تو وہ چھپا ہوا خط نکال [illegible] تمہارے [illegible] کو ٹٹولیں گے"۔

بتایا جاتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت زبیر کی سنجیدہ کوشش اور یقین کو دیکھ کر سارہ اپنے سر کی مینڈھیوں کو کھول کر خط نکال کر حضرت علی کے سپرد کر دیا۔ پھر جب یہ خط رسول اکرم

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا گیا تو آپؐ نے حاطب سے اس کی وضاحت طلب کی تو حاطب نے وہ خط تحریر کرنے کا ایک خاص جواب اور جواز پیش کیا۔ جس پر رسول اللہ نے اصحاب بدر میں سے ہونے کے باعث درگزر سے کام لیا۔

اسلامی لشکر کا مظاہرہ۔ مکہ کی جانب یلغار کے لیے جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اسلامی لشکر مکہ کی طرف بڑھنے لگا۔ مسلمانوں کے لشکر نے مقام **مرالظہران** پر پہنچ کر قریباً دس ہزار مشعلیں روشن کیں' اس سے مکہ والوں کو خبر ہوگئی کہ مسلمانوں کا لشکر تعداد میں زیادہ ہے۔ ان روشنیوں کو دیکھ کر ششدر ہو کر کوئی پکار اٹھا۔ بخدا میں نے اتنی کثیر روشنیاں کبھی نہیں دیکھیں اور نہ کبھی ہر قبیلہ اپنے اپنے جھنڈے کے پاس جمع تھے۔ ہر قبیلے کا جھنڈا جداگانہ تھا۔ خالد بن ولید' زبیر بن العوام' ابوذر غفاری اور سعد بن عبادہ اپنے اپنے قبائل کے جھنڈے لیے ہوئے تھے۔ ابوسفیان ان لشکروں اور ان کے پھریروں کو دیکھ کر بڑا متاثر ہو رہا تھا۔ اسلامی لشکر کی اس یلغار کا بنیادی مقصد اسلام کی فردی قوت کا مظاہرہ بھی کرنا تھا اور اس سے دشمن کو مرعوب کرنا تھا۔

اس مظاہرے میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب یہ خدشہ پیدا ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ قریش پر حملہ نہ کر دیں۔ اس جذبات بھری کیفیت کی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ حضرت سعد سے جھنڈا لے کر ان کے فرزند حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کو دے دیں۔ لہٰذا اس حکم پر حضرت علی نے فوری طور پر عمل کیا اور پھر وہ اپنے لشکر میں آ گئے۔ اس کے ساتھ ہی رسول رحمت نے جملہ سرداران لشکر کو حکم دیا کہ جنگ سے باز رہیں اور کسی سے نہ لڑیں۔ صرف اس سے لڑیں جو خود لڑائی شروع کرے۔ بہر صورت حضرت خالد بن ولید کو ایک معمولی سی مزاحمتی جھڑپ میں مبتلا ہونا پڑا۔ اس طرح بیس رمضان المبارک کو اسلامی لشکر مکہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں پر ایک بار پھر رسول رحمت اور رحمتہ اللعالمین نے سب کو معاف کر دیا اور کہا کہ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

اس فتح مکہ کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ سب مکہ والوں کو معاف کر دیا تھا اور انھیں آزاد کر کے چھوڑ دیا تھا' اس لیے ان لوگوں کو "طلقاء" یعنی چھوڑے ہوئے بھی کہا جانے لگا تھا۔ مکہ والوں کے لیے طلقاء کا لفظ کہنے پر حضرت معاویہ نے جب ایک طرح سے گومگو سے کام لیا تو اس پر حضرت علی نے برملا وضاحت کر دی تھی کہ مکہ والے فتح مکہ کے بعد ایک حوالے سے مال غنیمت کا درجہ رکھتے تھے' اسی لیے انھیں طلقاء کہہ کر چھوڑ دیا گیا تھا' اس طرح آقا اور آزاد کردہ غلام برابر نہیں ہوتے مزید وضاحت حضرت علی نے یوں بھی کر دی

Marfat.com

تھی کہ جب خدا نے ہمیں تم لوگوں پر غلبہ دے دیا تھا تو رسول رحمت نے ازراہ شفقت آپ سب کو آزاد کر دیا۔

بہر صورت جب اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کامیاب و کامران داخل ہوئے تو ابوسفیان' امیر معاویہ اور دیگر بڑے بڑے سرداروں کے علاوہ بیشتر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

مکہ سے واپسی پر علم برداری۔ فتح مکہ کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۶ شوال ۸ ہجری کو مکہ سے روانہ ہوئے۔ مکہ سے واپسی پر آپؐ نے وادی حنین کی جانب لشکر اسلامی کو بڑھنے کا حکم دیا۔ مکہ سے وادی حنین تین دن کی مسافت پر تھی۔ حنین کے قبائل کو لشکر اسلام کی مکہ سے روانگی پر ہی خبر پہنچ گئی تھی' لہٰذا وہاں کے لوگ اپنے آپ کو جنگ کے لیے تیار کرنے لگے تھے۔ قبیلہ ہوازن' ثقیف اور بنو نضیر نے اسی سلسلے میں باہم اتحاد کر کے بہت بڑی جمعیت بنا لی تھی۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ بنو سعد بن بکر اور بن جشم کے لوگ بھی آن کر شامل ہو گئے تھے۔ ان سب کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی' قبیلہ ہوازن کے لوگ ان میں سب سے زیادہ جنگجو اور بہتر تیر انداز تھے۔

اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ ان میں دس ہزار افراد تو وہی تھی جو مدینہ سے فتح مکہ کی غرض سے چلے تھے اور قریباً دو ہزار وہ تھے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی صفوں کو ترتیب دیا اور دشمن کے قریب پہنچ کر چھوٹے بڑے جھنڈے سر کردہ مجاہدین کے سپرد کیے۔ ان جھنڈوں میں سے مہاجرین کا ایک جھنڈا حضرت علی بن ابی طالب کو بھی دیا گیا تھا۔ اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عمر بن خطاب کو بڑے جھنڈے دیئے گئے۔ حباب بن منذر اور اسید بن حضیر کو ایک ایک چھوٹا جھنڈا دیا گیا تھا۔

ثابت قدم ساتھی۔ دشمن حنین کے مقام پر تنگ وادیوں میں چھپ گیا تھا' اس لیے جب مسلمان وادی میں داخل ہوئے تو ان پر اطراف و جوانب سے حملہ ہو گیا' لیکن مسلمانوں نے جوابی حملہ کر کے دشمن کو بھاری نقصان پہنچایا۔ لیکن اس ابتدائی کامیابی کے بعد مسلمانوں کے لشکر میں سے لوگوں نے جنگ احد کی طرح مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا۔ اس صورت میں دشمن نے ایک بار شدید حملہ کر کے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ گویا مسلمانوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اس افراتفری اور پسپائی کے عالم میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قریبی ساتھی حضرت ابوبکر' علی' عمر' عثمان' عباس' اسامہ' ربیعہ' عتبہ وغیرہ بدستور ثابت قدم رہے تھے

Marfat.com

اور اللہ کے رسول کے ہمراہ ہی رہے تھے۔ اسی اثناء میں رسول اللہ نے مسلمانوں کو دوبارہ جنگ کی طرف بلایا اور ایک بار پھر جنگ کا تنور گرم ہو گیا۔ اب نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بے شمار مردوں اور عورتوں کو اسیر بنا لیا۔ انھیں بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ۔ اس جنگ میں جو مال غنیمت جسے ملا تھا وہ اسی کو تفویض کر دیا گیا تھا۔ اس جنگ کے بعد قبیلہ ہوازن کے سردار اور سپہ سالار مالک بن عوف نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت سا مال اور اونٹ عنایت فرمائے اور اسے ہی اس کی قوم پر حاکم مقرر کر دیا گیا تھا۔

فلس پر فوج کشی۔ غزوہ حنین کے بعد اسی سال غزوہ طائف بھی ہوا۔ اس کے بعد آپؐ نے مدینہ منورہ پنچ چھوٹی چھوٹی مہمات چند ایک قبائل اور افراد کی جانب بھجوانے کا اہتمام کیا۔ ان مہمات اور فوج کشیوں میں مجاہدین کو چھوٹے دستوں کی صورت میں روانہ کیا جاتا رہا۔

قبیلہ طے کے لوگ برسوں سے ایک بت فلس کی پوجا کرتے تھے۔ یہ لوگ نجد کے ایک حصہ میں آباد تھے۔ یہ وہی علاقہ تھا کہ جس میں کبھی حاتم طائی جیسا بہادر اور فیاض سردار بھی رہتا تھا۔ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بت پرستی کے خاتمے کے لیے آیا تھا۔ اس لیے ربیع الاخر ۹ ہجری میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بت فلس کی تہدیم کے لیے حضرت علی بن ابی طالب کو فوج کا ایک چھوٹا دستہ دے کر روانہ کیا۔ فلس کی جانب اس فوج کشی میں حضرت علی کی کمان میں ڈیڑھ سو انصار مجاہدین بھیجے گئے۔ یہ دستہ ایک سو شتر سواروں اور پچاس گھڑ سواروں پر مشتمل تھا۔ اس فوج کشی کے موقع پر حضرت علی کے ساتھ ایک بڑا جھنڈا سیاہ اور ایک چھوٹا سفید جھنڈا تھا۔

فوج کشی سے پیشتر حضرت علی نے اس علاقے کے بارے میں اور قبیلہ طے کے بارے میں بے شمار معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اس لیے حضرت علی کی سرکردگی میں مسلمانوں کے اس دستے نے فجر کے وقت اس پوری بستی کو گھیرے میں لے لیا تھا' اور پھر اس کے فوراً بعد اس بستی کے بت فلس کو توڑ پھوڑ کر نیست و نابود کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے جب قبیلہ طے کے سب سے بڑے بت کو منہدم اور برباد کر دیا تو وہاں کے لوگوں نے اپنے آپ کو حضرت علی کے سپرد کر دیا تھا۔ بے شمار مرد اور عورتوں کو اسیر بنا لیا گیا تھا۔ چاندی کے زیورات' مویشی اور متعدد بکریاں بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔

قبیلہ طے کے اسیروں میں مشہور زمانہ حاتم طائی کی دختر اور عدی بن حاتم کی بیٹی سفانہ بھی

Marfat.com

موجود تھیں- قیدیوں کو جب مدینہ منورہ لایا گیا تو رسول رحمت نے حاتم طائی کی بیٹی سفانہ کے ساتھ بہتر اور باعزت سلوک کیا- اس پر وہ مسلمان ہو گئیں- ان کے بعد سفانہ کا بھائی عدی بن حاتم جو فرار ہو کر کہیں چلا گیا تھا وہ بھی خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گیا تھا-

فلس پر فوج کشی کے دوران میں جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا- وہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا تھا- حاتم طائی کے قبیلہ سے حاصل کیا ہوا سارا مال اور اسیران کو بحفاظت واپس کر دیا گیا تھا- اس فوج کشی میں حضرت علیؓ نے قبیلہ طے کے برسوں پرانے بت کو منہدم کر کے وہاں پر اسلام کی تعلیم سے لوگوں کو بہرہ ور کر دیا تھا-

بتایا جاتا ہے کہ فلس پر فوج کشی سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے حضرت علی کو تین تلواریں (رسوب' مخزم اور سیف یمانی) اور تین زرہیں ان کے حصے کے طور پر ملی تھیں-

غزوہ تبوک- غزوہ تبوک رجب ۹ ہجری کا واقعہ ہے- اور اسے حضور پاک کا آخری غزوہ بھی کہا جاتا ہے- شاہ روم نے چونکہ شام میں بہت زیادہ فوج جمع کر لی تھی' اس لیے وہ مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ بن گیا تھا- اس خطرے سے نمٹنے کے لیے شدید گرمی اور قحط کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کی دعوت دی' اور تمام لوگوں کو ان کی منزل بھی بتا دی تھی- یہ کٹھن اور مشکل دور تھا لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے جان و مال سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا- صحابہ کرام نے ایک سے بڑھ ایک ایثار و قربانی کی مثال پیش کی- غزوہ تبوک کے لیے آپؐ کے بیشتر ساتھی اور صحابہ کرام ساتھ تھے-

غزوہ تبوک کے موقع پر اللہ کے رسول نے مدینہ سے اپنے غیاب میں اپنے خاندان کی حفاظت اور خبر گیری کے لیے حضرت علیؓ کو مدینہ منورہ ہی میں چھوڑ دیا تھا- اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کے لیے مامور کر کے چھوڑا گیا تھا- چونکہ تبوک کی جانب جہاد کا اعلان نہایت ہی نا مساعد' کٹھن اور دشوار حالات میں فرمایا تھا' اس لیے کچھ منافقین نے اس جہاد پر نہ جانے کے لیے عذر پیش کرنے شروع کر دیئے تھے- عبداللہ بن ابی نے تو اس وقت اس اعلان جہاد کو بے موقع کارروائی کہنا شروع کر دیا تھا-

اس کے ساتھ ساتھ بعض منافقوں نے حضرت علی بن ابی طالب کی شان میں بھی گستاخانہ کلمات کہے' اور انھیں مدینہ میں چھوڑ دینے کے حوالے سے غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کی- بتایا جاتا ہے کہ منافقین کی ان پے بہ پے باتوں کا اثر قبول کر کے حضرت علی نے اب جنگ سے دور مدینہ میں رہنا ایک طرح کا عذاب سمجھنا شروع کر دیا تھا' اس کی ایک بڑی

Marfat.com

وجہ یہ بھی تھی کہ منافقین نے یہاں تک افواہ پھیلا دی تھی کہ چونکہ حضرت علی کا جنگ میں جانا ایک طرح کا بوجھ تھا' اس لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم انھیں تبوک کی طرف ساتھ نہ لے کر گئے۔ منافقین کی اس طرح کی تند اور تیز باتوں سے حضرت علی بہت گرویدہ ہوئے' اس لیے جلد ہی اپنے جنگی ہتھیار سنبھال کر تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی لشکر اسلام مدینہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا' اس لیے حضرت علی مقام جرف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔

جب حضرت علی کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو عرض کیا "یا رسول اللہ! منافقین کہہ رہے ہیں کہ آپ نے مجھے بار سمجھ کر نجات حاصل کرنے کو مدینہ میں چھوڑ گئے ہیں"۔

حضرت علی کی تشویش اور پریشانی کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوبی محسوس کر لیا تھا' اور آپؐ کو منافقین کی باتوں اور منافقانہ کارروائیوں کی بھی خبر تھی' اس لیے آپؐ نے حضرت علی کی پریشانی کو دور کرنے کے لیے فرمایا "اے علی! وہ لوگ سراسر جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے تم کو اپنے خاندان کی خبر گیری کے لیے چھوڑا ہے۔ پس تم چلے جاؤ' اور میرے اور اپنے خاندان کی نگرانی میں میری نیابت کرو"۔ اس کے ساتھ ہی رسول رحمت نے مزید فرمایا "اے علی! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے ایسے ہی قوت بازو بنو جیسے حضرت ہارون' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں"۔ اس جواب پر حضرت علی کی تسلی اور تشفی ہو گئی اور وہ مدینہ واپس آ گئے۔

تبوک میں پہنچ کر اسلامی لشکر نے بیس دن تک قیام کیا لیکن وہاں غنیم سے مقابلے کی نوبت نہ آئی۔ اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو واپس مدینہ پہنچنے کی اجازت دے دی تھی۔

حضرت علی کی شرکت۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں سینتالیس سرایا اور ستائیس غزوات میں حصہ لیا۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت علی نے بیشتر غزوات میں بھرپور حصہ لیا اور نہایت فعال اور مثالی کردار ادا کیا۔ بلکہ بعض بڑے غزوات میں حضرت علی کا کردار و عمل سب سے زیادہ نمایاں اور اہم دکھائی دیتا ہے۔ سرایا چونکہ ایسی فوج کشی اور مہم کو کہتے ہیں کہ جس میں رسول اکرم نے بذات خود شرکت نہیں کی بلکہ دیگر صحابہ کرام کو روانہ کیا۔

اٹھارہ غزوات کہ جن میں تلوار کا استعمال نہیں ہوا تھا اور نو غزوات جن میں تلوار استعمال ہوئی ان میں قریباً تمام غزوات میں حضرت علی نے بڑا فعال اور پرجوش کردار ادا کیا۔

Marfat.com

یہی نہیں بلکہ اکثر غزوات میں حضرت علی کو لوائے نبوی کی علم برداری کا بھی شرف حاصل ہوا۔ کئی غزوات میں حضرت علی کے سپرد مہاجرین کا چھوٹا جھنڈا بھی کیا گیا۔ اور جنگ میں علم برداری کا منصب کوئی چھوٹا منصب نہیں ہوتا۔

حضرت علیؓ کا مقام و مرتبہ۔ کسی جنگ میں علم عموماً سب سے بہادر، قوی، شجاع، اور تجربہ کار جنگجو ہی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ اور پھر علم برداری کا وہی شخص اہل اور حق دار ہوتا ہے کہ جو اس علم کو ہر حالت میں بلند رکھ سکے، اس کی ہمہ وقت حفاظت کر سکے اور دشمن پر کاری سے کاری ضرب لگا کر اس علم برداری کا پورا پورا حق ادا کر سکے۔ حضرت علی کو بیشتر غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے علم دیا۔ اور پھر تاریخی طور پر ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے ہر جنگ میں اپنی اس علم برداری کی نہ صرف لاج رکھی بلکہ پیشہ علم برداری کو بھی ایک پر تفاخر وقار بخشا۔

مغازی الرسول میں حضرت علی بن ابی طالب کا کردار و عمل دیگر تمام مجاہدین کے مقابلے میں سب سے زیادہ اعلیٰ اور ممتاز رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر جنگ میں حضرت علی ہمیشہ شمع رسالت حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریب رہنے والوں میں سے تھے۔ گویا اس طرح حضرت علی اس مرکزی دستے میں شامل رہے کہ جس کے محور و مرکز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تھے۔

غزوات نبوی میں چند ایک مواقع پر جب اسلامی لشکر کو نقصان اٹھانا پڑا اور بعض محاذوں پر پسپائی سے بھی دو چار ہونا پڑا تو اس وقت نازک صورت حال اور افراتفری کے عالم میں صحابہ کرام کا جو سب سے جاں نثار گروہ تھا، حضرت علی اس میں بھی سب سے زیادہ امتیازی اور اہم دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو مجاہدین ہمیشہ اور ہر غزوہ میں ثابت قدم رہتے رہے، حضرت علی بن ابی طالب ہمیشہ ان معدودے چند جاں نثاروں میں ہوتے تھے۔

ابتدائی غزوات نبوی میں کہ جب تک حضرت حمزہؓ موجود تھے اور شہید نہیں ہوئے، ان غزوات میں کبھی حضرت حمزہ تمام مجاہدین میں امتیازی شان لیے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور کبھی حضرت علی بن ابی طالب کا رتبہ نمایاں نظر آتا ہے۔ حضرت حمزہ غزوہ احد میں جب داد شجاعت دیتے ہوئے اور کفار مکہ کو گاجر مولی کی طرح کاٹتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے تو پھر ان کے بعد سے تو حضرت علی بن ابی طالب ہی مجاہدین میں سب سے زیادہ ممتاز ہو گئے تھے۔ حضرت علی کا یہ رتبہ بھی محل نظر رہتا کہ آپ خانوادہ نبوی میں سے تھے، اس لیے کئی جنگوں کے آغاز میں

Marfat.com

جو ایک ایک فرد کا ابتدائی محاربہ ہوتا' حضرت علی نے ان میں سے تمام دو بدو محاربوں میں مقابل دشمن پر ہمیشہ فتح اور کامیابی حاصل کی' اصل میں یہی ابتدائی دو بدو محاربہ ہی کسی جنگ کا ملخص اور ابتدائیہ ہوتا ہے' اور اسے ہمیشہ جناب علی بن ابی طالب ہی جیت لیتے تھے۔

غزوات نبوی کے دوران میں بعض ایسے ایسے بڑے اور متکبر سورماؤں کو بھی حضرت علی نے جہنم واصل کیا کہ جو ایک ایک ہزار افراد کے برابر تھے اور قوت اور طاقت میں ان کا ہمسر کوئی نہیں ہوتا تھا۔ ان تمام غزوات میں حضرت علی نے مجموعی طور پر بھی تعداد میں سب سے زیادہ کفار اور دشمنان دین کو قتل کیا۔ ان حوالوں سے حضرت علی بن ابی طالب کو بجا طور پر مسلمانوں کے سب سے بڑے اور کامیاب مجاہد اسلام کا درجہ دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

باب-٦

سفارت سے خلافت تک

حضرت علیؓ بجانب یمن- غزوہ تبوک کے بعد رمضان المبارک ۱۰ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو تین سو سواروں کا ایک دستہ دے کر یمن کی جانب روانہ فرمایا- حضرت علیؓ کی قیادت میں یمن جانے والے اس فوجی دستے میں اکثریت سواروں کی تھی-
اس وقت یمن میں قبیلہ مذحج نے سر اٹھا رکھا تھا- اس لیے حضرت علی وہاں اسلام کی دعوت لے کر پہنچے، لیکن یمن کے اس قبیلہ نے اس دعوت حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا- یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش شروع کر دی- اس کے ساتھ ہی قبیلہ مذحج کے بہادروں نے مسلمانوں کو دعوت مبارزت میں بلانا شروع کیا- اس موقع پر حضرت علی نے اپنے مجاہدین کی صف بندی کی اور اپنا جھنڈا حضرت مسعود بن سنان کے سپرد کیا-

اس صف بندی کے بعد جب لڑائی ہوئی تو دشمن کے قریباً بیس آدمی مارے گئے، اور باقی لوگ جلد ہی بعد شکست خوردہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے- اس شکست خوردگی کے بعد، حضرت علی نے کچھ دیر تک ان بھگوڑوں کی واپسی کا انتظار کیا اور پھر ان لوگوں کو ایک بار پھر اسلام اور امن و سکون کی دعوت دی- اب کی بار ان لوگوں نے اسلام کو قبول کر لیا- اس طرح کئی سرداروں نے آ کر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مشرف بہ اسلام ہوئے- یہاں سے جو مال غنیمت ملا وہ خمس نکال کر باقی سارا مجاہدین میں تقسیم کر دیا-

دعوت اسلام کا فریضہ- تاریخی طور پر ثابت ہے کہ فتح مکہ کے بعد یمن کی جانب پہلی بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تبلیغی وفد ۸ ہجری میں روانہ کیا تھا- اس تبلیغی وفد کی سربراہی بھی حضرت علیؓ کے سپرد کی گئی تھی- اس وقت چونکہ یمن کی جانب یہ پہلی دعوت اسلام تھی، اس لیے اس لشکر میں مجاہدین کی اکثریت تھی- ۸ ہجری میں مسلمانوں کا وفد یمن کے قبیلہ ہمدان کی طرف روانہ کیا گیا تھا- بعض روایتوں میں اسے یمن کی جانب پہلی فوج کشی کا نام بھی دیا جاتا ہے-

حضرت علی کی یمن کی جانب روانگی کے حوالے سے تاریخوں میں ایک دلچسپ واقعہ یوں

Marfat.com

بھی ملتا ہے کہ جب رسول مکرمؐ نے حضرت علی بن ابی طالب کو یمن جانے کا حکم دیا تو انھوں نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک ایسی قوم کی طرف بھیجا جا رہا ہوں کہ جس میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ بھی موجود ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ ان لوگوں کے جھگڑوں اور تنازعات کا فیصلہ کرنا مشکل ہو۔ اس لیے مجھے وقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے سینہ پر دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی کہ "اے رحمٰن و رحیم! اس کی زبان کو راست گو بنا دے۔ اور اس کے دل کو روشن اور منور کر دے"۔ اس دعا کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کے فرق محترم پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی جانب روانہ فرمایا۔

فیصلہ کرنے کا معیار۔ حضرت علی بن ابی طالب کی یمن کی طرف روانگی کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے "خطبات بہاولپور" میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ جب حضرت علی کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا گیا تو "یہ بالکل نوجوان (یعنی بتیس تینتیس سال کے) تھے۔ انھیں قاضی نامزد کیا گیا تو کہنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تو کبھی یہ کام کیا ہی نہیں' یہ خدمت کیسے انجام دوں گا"۔ یاد رہے اس سے قریباً ڈیڑھ سال پیشتر حضرت علی کو ۸ ہجری میں یمن کے قبیلہ ہمدان کی طرف فوج کشی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس لیے حضرت علی وہاں کے لوگوں کے مزاج شناس تھے' لیکن اس کے باوجود بھی قاضی کی خدمات انجام دینے کے معاملے میں متفکر تھے۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کہا کہ ایک بنیادی اصول میں تمھیں بتاتا ہوں۔ جب کوئی شخص تمھارے پاس آئے اور کوئی شکایات پیش کرے تو صرف اسی کی بات سن کر فیصلہ نہ کرو' جب تک مدعی علیہ یا فریق ثانی کو بھی بلا کر اس کا بیان نہ سن لو۔ پھر دونوں کے بیانات کی روشنی میں تم اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کر سکتے ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ساری عمر عدالتی فیصلے کرتا رہا ہوں' مجھے کبھی جھجک نہیں ہوئی' کیونکہ بنیادی اصول یہ تھا کہ دونوں آدمیوں کی باتیں سنوں اور اس کی روشنی میں صحیح نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کروں"۔

بہرصورت حضرت علیؓ نے یمن میں جا کر اس خوبصورتی اور حسن اخلاق کے ساتھ تبلیغ دین کی کہ لوگ جلد ہی ان کے والا و شیدا ہو گئے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس سے پیشتر حضرت خالد بن ولید قریباً چھ مہینوں تک اپنے طور پر تعلیم و تلقین اسلام کی سعی کرتے رہے تھے لیکن انھیں چنداں خاطر خواہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

Marfat.com

بتایا جاتا ہے کہ جب قبیلہ ہمدان کے لوگوں نے حضرت علی کی کوششوں سے دل و جان، سے اسلام قبول کر لیا تو اس سلسلہ میں حضرت علی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اطلاعی عریضہ لکھا "جب وہ عریضہ آپؐ کے سامنے پڑھا گیا تو آپؐ فوراً سجدہ میں گر پڑے پھر سجدہ سے سر اٹھا کر فرمایا۔ ہمدان پر سلامتی ہو"۔

مکتوبات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ ہمدان کے لوگوں نے جب دین اسلام کو قبول کر لیا تو اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے چند سرداروں اور رئیسوں کے نام مکتوب لکھے، جن میں تحریر کیا گیا کہ: "اہل ہمدان کو بشارت ہو کہ اللہ نے ان کو اپنی ہدایت سے سرفرازی بخشی۔ آپ لوگوں کو اپنے اسلام کا اور اس بات کا اعلان کر دینا چاہیے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"۔

اس کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب سے بھی ہدایت فرمائی کہ کسی شخص پر ظلم اور زیادتی نہ کی جائے، اور جو شخص جس چیز کا مالک ہے اس کی ملکیت رہنے دی جائے۔ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جائے۔

واقعہ افک میں حضرت علی کا کردار۔ غزوہ مرسیع یا غزوہ بنی المصطلق کے دوران میں لشکر اسلام میں دیگر خواتین کے ساتھ زوجہ رسول محترمہ عائشہ صدیقہ بھی شامل تھیں۔ لیکن واپسی پر وہ رفع حاجت پر جانے کے باعث قافلہ سے بچھڑ گئی تھیں۔ اس لیے انھیں بعد میں جناب صفوان بن معطل سلمی کے ہمراہ آنا پڑا۔ اس واقعہ کو منافقین نے بالخصوص عبداللہ بن ابی نے خوب اچھالا۔ اس لیے مدینہ واپس پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عائشہ سے ایک طرح کی قطعہ تعلقی رکھی اور اس سلسلے میں وحی کے منتظر رہے تاکہ حضرت عائشہ پر لگائی گئی تہمت سے برات ہو سکے۔ اس حوالے سے بعض روایات میں حضرت علی کے کردار کو کسی حد تک منفی رجحانات سے مملو بتایا جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس موقع پر حضرت علی نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر تنگی نہیں کی۔ آپ کے لیے عائشہ کے سوا بھی بہت سی عورتیں موجود ہیں"۔ پھر حضرت علی نے معاملے کی وضاحت کی خاطر یہ بھی عرض کیا کہ "آپ اس لونڈی سے دریافت فرمالیں جو حضرت عائشہ کی خادمہ تھی۔ وہ صحیح کیفیت بتا دے گی"۔

چنانچہ حضرت علی کے مشورے پر حضرت عائشہ کی خادمہ بریرہ کو بلا کر پوچھا گیا تو بریرہ نے "قسم کھا کر عرض کیا کہ اس نے حضرت عائشہ میں کبھی کوئی ایسی معیوب بات نہیں دیکھی"۔

Marfat.com

بریرہ نے مزید کہا "اس ذات کی قسم' جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے کبھی ان میں کوئی قابل اعتراض عیب نہیں پایا بجز اس کے کہ وہ ایک کمسن لڑکی ہیں"۔

یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس کے بعد محترمہ بریرہ کو "کسی نے دھمکایا کہ سچ سچ بتا۔ اس پر "حضرت بریرہ نے جواب دیا' میں تو عائشہ کو اس طرح بے عیب جانتی ہوں' جیسے جوہری خالص سونے کی ڈلی کو جانتا ہے"۔

بہر صورت اس کے چند ہی دن بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت عائشہ صدیقہ کی بے گناہی ثابت کر دی' اور ان کی برات ہوئی۔ یہ واقعہ بہر طور اک ناخوشگوار واقعہ تھا۔ اس لیے تہمت لگانے والوں کو قرآن کے مطابق اسی اسی درے لگائے گئے۔ یہ چونکہ ایک اتہام طرازی کا جھوٹا واقعہ تھا اس لیے ہی "واقعہ افک" کہا جاتا ہے۔ اور افک کے لفظی معنی جھوٹ 'کذب 'بہتان' دروغ کام' کسی چیز کو الٹ دینا اور اس کو جہت سے پھیر دینا کے ہوتے ہیں۔

اس واقعے کے موقع پر کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کی اتہام طرازی کے باعث اور واقعہ کی اصل نوعیت کے بارے میں وحی کے نازل ہونے میں تاخیر اور حضرت عائشہ کو جو صدمہ پہنچ رہا تھا اس کی وجہ سے آپؐ گومگو کی کیفیت میں تھے۔ لہٰذا اس موقع پر حضرت علی نے ایک جانب تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اندوہ غم کم کرنے کے لیے اور اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہ کے بارے میں راست اور بہتر معاملات کے لیے حضرت عائشہ کی خادمہ بریرہ سے حالات دریافت کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ بہر صورت یہ ایک صائب مشورہ تھا۔ کیونکہ خادمہ بریرہ نے جس وثوق اور قسمیہ طور پر زوجہ رسول کی عفت و عظمت کی یقین دہانی کرائی' اس سے حضور پاک مطمئن تو ہو گئے تھے' لیکن اس کے باوجود کئی دنوں تک وحی کا ضرور انتظار کرتے رہے تھے۔ اس واقعے کی اللہ کی جانب سے وضاحت پر حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنے پروردگار کا شکر ادا کیا۔

خطبہ غدیر خم۔ ۱۰ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا آخری حج یعنی حج الوداع ادا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس حج میں آپؐ کے ساتھ قریباً نوے ہزار مسلمان تھے۔ ان کے علاوہ دیگر کئی قبائل کے مسلمان بھی اس قافلہ حج کے ساتھ آکر ملتے گئے تھے اس حج کے موقع پر آنحضرتؐ نے اپنے تاریخی خطبے میں لوگوں کو دین متین کے مکمل ہو جانے کے حوالے سے تعلیمات اسلامی کا دوٹوک انداز میں واضح طور پر اعادہ کیا' اور لوگوں کو ان کے حقوق کی جانب بڑے کھلے لفظوں میں متوجہ فرمایا۔ اسی موقع پر رسول خدا نے فرمایا کہ "لوگو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ لوگو اللہ کی عبادت سے کبھی غافل نہ ہو"۔

Marfat.com

راستہ میں بریدہ اسلمی نے حضرت علی کے یمن میں قیام اور یمن سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کے حوالے سے کچھ امور اللہ کے رسول کے گوش گزار کیے۔ بریدہ اسلمی کے بیان سے حضرت علی کے بارے میں ایک طرح کی گلہ گزاری کا شائبہ بھی ملتا تھا۔ اس لیے پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہی ایک مقام خم کے غدیر (یعنی تالات) کے پاس کھڑے ہو کر ایک مختصر سا خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ "من کنت مولا فعلی مولاہ یعنی جو مجھے اپنا حاکم و افسر تسلیم کرتا ہے وہ علی کو بھی مانے (کیونکہ یہ جبرائیل کے حکم سے یمن گئے تھے' اور ان کا فیصلہ میرا فیصلہ ہے)"۔ حضرت عمر نے اس شرف پر حضرت علی کو مبارک باد دی اور بریدہ اسلمی تمام زندگی بھر حضرت علی کے مطیع رہے اور جنگ جمل میں شہید ہوئے"۔

اس مختصر خطبے کے بعد دیگر ضروری نصائح فرماتے ہوئے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دسویں ذی الحجہ کو نحر یعنی قربان گاہ پر پہنچے۔ یہاں رسول کریم نے مناسک حج کی ادائیگی کے طور پر تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح کیے اور ستائیس اونٹ حضرت علی نے ذبح کیے' اور سب اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیئے۔

حج الوداع سے واپس آنے کے بعد ایک بار پھر آپؐ بدستور نہایت ہی سرگرمی کے ساتھ تبلیغ و ترویج دین میں مصروف ہوگئے۔ اس طرح حج الوداع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ڈھائی ماہ تک حسب سابق تندرست اور توانا رہے' لیکن پھر ایک شام آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخار میں مبتلا ہو گئے۔ بخار کئی روز تک جاری رہا۔ کمزوری اور نقاہت بڑھتی گئی۔ اسی اثناء میں حضرت علی اور حضرت عباس آنحضرت کو بازوؤں کا سہارا دے کر حضرت میمونہ زوجہ محترمہ کے گھر سے حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں لے آئے۔ پھر مختلف حوالوں سے آپؐ مجموعی طور پر سات سے تیرہ دن تک بیمار رہے اور مرض الموت میں مبتلا رہے۔ اسی دوران میں جب رسول گرامی کی حالت قدرے بہتر تھی تو اس روز حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ پیارے رسول اللہ کو سہارا دے کر مسجد میں لے آئے تھے۔

احادیث قرطاس و قلم۔ بتایا جاتا ہے کہ اسی دوران میں "ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی سہارا دیئے تھے۔ اس طور پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک حضرت علی کی کلائی پر تھا۔ اسی حالت میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ 'اے علی! کاغذ لے آؤ تاکہ میں ایسی تحریر لکھوا دوں جس کے بعد میری امت کبھی گمراہ نہ ہو گی۔ حضرت علی کو خوف ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کاغذ لینے جاؤں اور ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو جائے۔ اس لیے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جو کچھ فرمانا ہے فرما دیں' میں اسے

Marfat.com

یاد رکھوں گا۔ فرمایا "میں وصیت کرتا ہوں نماز کی اور زکوۃ کی اور جو تمھارے زیر دست ہیں"۔ (یہ روایت مسند علی کی ہے)

مختلف حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں دیگر کئی اور کردار بھی شامل تھے۔ اس موقع پر لوگوں کے درمیان تکرار بھی ہوئی۔ بعض افراد نے اس معمولی واقعہ میں خاصی رنگ آمیزی سے کام لیا۔ بہرصورت اس واقعے کے بارے میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ "جن (لوگوں) کے شوق اطاعت پر تکلیف رسول کا احساس غالب تھا وہ تعمیل ارشاد میں ہچکچائے اور جن کو تعمیل ارشاد کا زیادہ جذبہ تھا وہ ہچکچانے والوں کے خلاف بولے"۔

وصال النبیؐ۔ اس واقعہ کے دو تین دن بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری کو رسول رحمت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ وفات چند ثانیے پیشتر پہلے حضرت نے اور بعد میں حضرت عائشہ صدیقہ نے آنحضرت کو سہارا دیا ہوا تھا۔ وصال النبی کی خبر سے تمام صحابہ کرام پر ایک طرح سے بجلی گر گئی تھی۔ مختلف فقہاء کی کیفیات مختلف تھیں۔ "حضرت عمر تو شدت غم سے دیوانے ہو گئے۔ حضرت عثمان بالکل ساکت و ششدر رہ گئے کہ بول ہی نہ سکے۔ حضرت علی فرط غم سے اپنی جگہ سے ہل نہ سکے۔ حضرت عبداللہ بن انیس اسی غم میں ایسے بیمار پڑے کہ آخر اسی بیماری میں انتقال کر گئے۔ صرف حضرت ابوبکر سب میں ثابت قدم رہے"۔

وصال النبیؐ کے بعد تجہیز و تکفین کے تمام مراحل میں حضور انورؐ کے کنبے والوں ہی نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انھیں کپڑوں سمیت ہی غسل دیا گیا جو کپڑے آپؐ وفات کے وقت پہنے ہوئے تھے۔ حضرت علی نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت عباس اور ان کے فرزند الفضل آپؐ کے جسم مبارک کو پلٹنے میں حضرت علی کی مدد کرتے رہے۔

قبر مبارک کی تیاری کے سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ انبیا جس جگہ پر فوت ہوتے ہیں اسی جگہ پر ان کی تدفین ہوتی تھی۔ اس حوالے سے حضرت علی نے بھی اسی بیان کی تائید فرمائی۔ پھر جب قبر مبارک کھود لی گئی تو وفات کے دوسرے دن آپؐ کو لحد میں اتار دیا گیا۔ آپ کو قبر میں اتارنے کے لیے حضور پاک کو حضرت علی، حضرت عباس، حضرت قثم اور حضرت الفضل نے حصہ لیا اور یہ لوگ قبر کے اندر بھی اترے۔

حضرت علی کی بیعت۔ رحلت نبوی کے بعد انصار اور مہاجرین کی معمولی سی نزاعی کیفیت

Marfat.com

کے بعد یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ رسول مقرر کر دیا گیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ بعض حوالوں سے حضرت علی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت بہ سرعت کرنے کے بجائے قدرے تامل اور تاخیر سے کی۔ بعض حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے وفات نبوی کے جلد ہی بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کرلی تھی یہی نہیں بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے امتیازی فضائل کا بھی برملا اعتراف کیا۔ اور یہ بھی اقرار کیا کہ "اے ابوبکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو جو رتبہ دیا ہے اس پر ہم حسد نہیں کرتے"۔

لا تعداد تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی نے وفات نبوی کے بعد دو تین دن کے اندر اندر ہی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کرلی تھی۔ "کیونکہ حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوئے"۔ حضرت علی کی حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں بڑی مثبت اور صائب رائے تھی۔ حضرت علیؓ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کی علامت اور پیامبر سمجھتے تھے۔

حضرت علی کی بیعت میں جو ایک دو دن کی تاخیر ہوئی اس کی اگر کوئی وجہ ہے تو وہ یہ بتائی جاتی ہے کہ شاید حضرت علی کو چونکہ ابتدائی مشاورت میں شامل نہیں کیا جا سکا تھا، اس لیے حضرت علی اور چند ایک دیگر صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس امر کا احساس دلانے کی خاطر معمولی تاخیر سے کام لیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک طرح کی شاید دبی سی گلہ گزاری بھی کی تھی۔

پھر غالباً اسی موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ "آپ عم رسول ہیں، اور دختر رسول کے شوہر ہیں۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی (متحدہ) جماعت میں اختلاف رونما ہو جائے؟ اور پھوٹ پڑ جائے؟ تو حضرت علی نے جواب دیا کہ: اے خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر کوئی سرزنش اور الزام نہیں (یعنی میں حاضر ہو گیا ہوں) ہمیں ان چیز میں آپ سے کوئی اختلاف نہیں)۔ حضرت علی کی بیعت کے حوالے سے کتاب "رحماء بینھم" میں مفصل مثبت بیان موجود ہے۔

خلیفہ اول کے ساتھ خدمات۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مختصر سے دور خلافت میں حضرت علیؓ کی خدمات کئی حوالوں سے دکھائی دیتی ہیں۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سب سے زیادہ فتنہ ارتداد سے نمٹنا پڑا، اور اس کے ساتھ ساتھ کاذب نبوتوں کا قلع قمع کرنا پڑا۔ اس لیے ان دونوں امور میں حضرت علی نے حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ انھیں اپنے مشوروں اور تائید سے بھی نوازا۔

Marfat.com

اپنے عہد خلافت میں جب حضرت ابوبکر صدیق کو سب سے پہلے اسامہ بن زید کے امیر لشکر بننے اور ان کی فلسطین کے علاقہ بلقا کی جانب فوج کا مسئلہ بنا۔ اس کے بعد جو سب سے بڑا مسئلہ تھا وہ منکرین زکوٰۃ کا تھا۔ اس حوالے سے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت علی سے مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کے بارے میں ان کا مشورہ لیا تو حضرت علی نے بھی واضح طور پر یہی مشورہ دیا کہ "جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصول فرمایا کرتے تھے' اس سے اگر آپ کچھ بھی چھوڑ دیں تو پیغمبر خدا کا خلاف کر ڈالا۔ یہ سن کر حضرت صدیق نے کہا کہ آپ نے چونکہ یہ مشورہ دیا ہے کہ تو اگر ہم سے وہ اونٹ کی ایک رسی بھی روک رکھیں گے میں ان سے ضرور قتال اور جنگ کروں گا"۔

گویا حضرت علی نے تو خود بھی فتنہ ارتداد کے خاتمہ کے لیے عملی طور پر بھی حصہ لیا۔ اور اس کے بعد تو حضرت علیؓ ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے حامی اور مددگار بھی بنے رہے۔ حضرت علی نے چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں نہایت ممتاز کردار ادا کیا تھا' اس لیے حضرت ابوبکر صدیق کسی بھی جانب فوج کشی کے لیے حضرت علی سے ضرور خصوصی مشورہ حاصل کیا کرتے تھے۔ بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علی کے تمام مشوروں پر عمل کیا اور ان کے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔

حفاظت مدینہ میں کردار۔ عہد صدیقی میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب کاذب نبیوں کے گروہ کی جانب سے مدینہ پر بھی حملے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس وقت تحفظ مدینہ کے نقطہ نظر سے حضرت ابوبکر صدیق نے مدینہ منورہ کی گزرگاہوں اور راستوں کے لیے لشکر تیار کیے۔ کئی حفاظتی دستے بھی متعین کیے گئے۔ ان حفاظتی دستوں پر جو صحابہ کرام نگران مقرر کیے ان میں حضرت علی بن ابی طالب' حضرت زبیر بن عوام' حضرت طلحہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود شامل تھے۔

کتاب رحماء بینہم میں فاضل مصنف مولانا محمد نافع نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب کے بہتر' خوشگوار اور عمدہ مراسم اور تعلقات کے وافر ثبوت فراہم کیے ہیں۔ جن سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ عہد صدیقی میں حضرت علی فقہی مسائل بیان کرنے اور فتویٰ دینے میں دیگر صحابہ کرام کے ساتھ شامل رہتے تھے۔ وہ جنگی معاملات میں اپنے بہتر مشوروں سے نوازتے تھے' بلکہ بعض حفاظتی تدابیر میں عملی طور پر بھی حصہ لیتے تھے۔ گویا اس طرح حضرت علی خلافت صدیقی میں ایک طرح سے خلیفہ کے دست راست کی حیثیت رکھتے تھے۔

Marfat.com

روم کی جانب فوج کشی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اسامہ بن زید کی کامیابی کے بعد جب روم کی طرف فوج کشی کا ارادہ کیا تو اس موقع پر انھوں نے اکابر مہاجرین اور انصار کو مدعو کر کے ان سے مشاورت طلب کی۔ اور پھر حضرت علیؓ سے خصوصی طور پر مشورہ لیا گیا تو حضرت علی نے اپنا اظہار خیال کیا کہ ''آپ بہ نفس نفیس لشکر کی معیت میں تشریف لے جائیں یا اس غزدہ میں صرف فوج ارسال کر دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں فتح ہو گی''۔ اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے مخالفین پر غلبہ پانے کے حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد بھی سنایا جسے سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ''سبحان اللہ۔ یہ کیا عمدہ فرمان نبوی ہے۔ اے علی۔ آپ نے ہمیں خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خورسند فرمائے''۔

اس طرح سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ خلیفہ اول کے دور خلافت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خصوصی مجلس مشاورت کے مستقل رکن تھے' اور ان کے مشورے کی بجا طور پر قدر و قیمت ہوتی تھی۔ اس خصوصی مجلس مشاورت میں اکابرین انصار و مہاجرین اور جید اصحاب بدر بھی شامل تھے۔

خلیفہ دوم کے ساتھ خدمات۔ قریباً سوا دو سال کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اللہ کو پیارے ہو گئے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے آخری وقت پر لوگوں کو وصیتیں اور نصائح کیں' اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے حضرت عثمان بن عفان کے ہاتھوں مسلمانوں کے لیے ایک تحریر پیش کی۔ اس تحریر میں انھوں نے اپنے بعد خلیفہ کا نام تجویز کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جانب سے جب یہ تحریر لکھی گئی تو اس پر فرمایا گیا کہ ''اس تحریر میں جس شخص کو آپ لوگوں کا امیر تجویز کیا گیا ہے' کیا وہ منظور ہے؟ تو تمام لوگوں نے رضا مندی ظاہر کی اور خاص طور پر حضرت علی نے اعلان فرما دیا کہ اگر اس میں عمر بن الخطاب کو امیر بنایا گیا ہے تو بہتر ورنہ ان کے بغیر ہم کسی دوسرے شخص کا خلیفہ و امیر بننا تسلیم نہیں کریں گے۔ بس تمام مسلمانوں نے اس چیز کو تسلیم کر لیا اور اس مسئلہ پر رضا مند ہو گئے اور حضرت علی سمیت سب لوگوں نے حضرت عمرؓ کی بیعت کر لی''۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے پورے عہد خلافت میں حضرت علی بن ابی طالب نے ان کے ایک معتمد مشیر اور ساتھی کے طور پر خدمات انجام دیں۔ اس حوالے سے حضرت علی خود فرماتے ہیں کہ ''جب وہ غزدات میں مجھے طلب کرتے تو میں ان کا شریک کار ہوتا اور عطیات و غنائم وغیرہ جب وہ مجھے عنایت کرتے تو میں ان کو قبول کرتا''۔ یہی نہیں بلکہ حضرت علیؓ بذات خود حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں ہمیشہ عمدہ اور احسن خیالات کا اظہار فرمایا

Marfat.com

کرتے تھے کہ "عمر بن الخطاب بہتر توفیق دیئے گئے تھے اور امور (خلافت) میں درست فیصلہ کرنے والے اور صحیح معاملہ فہم تھے"۔ اور "حضرت عمر بن الخطاب رشید الامر" تھے یعنی معاملہ فہم اور صحیح فیصلہ کنندہ اور درست رائے رکھنے والے تھے"۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے اپنے دس گیارہ سال عہد خلافت میں جو اصول و ضوابط اور قوانین مملکت اسلامی کے لیے نافذ کیے۔ حضرت علی نے بھی ان کی ہمیشہ پاسداری کی' اور بعض صورتوں میں اپنے عام معمولات سے ہٹ کر بھی ان کی بجا آوری کی۔

جنگ نہاوند میں مشاورت۔۔ ۲۱ ہجری میں جنگ نہاوند کے موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں سے مشورہ طلب کیا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنی خصوصی مجلس مشاورت کے مستقل اراکین سے فرمایا کہ کہو اس سلسلے میں تم کیا مشورہ دیتے ہو "اخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ جب حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت عثمان غنیؓ اپنا اپنا مشورہ دے چکے تو ان کے بعد امیرالمومنین حضرت عمر نے حضرت علی سے کہا "ابوالحسن آپ کی کیا رائے ہے"۔

اس پر حضرت علی نے کہا "اگر آپ اہل شام کو ان کے شام سے باہر بھیج دیں گے تو ان کے بال بچوں پر رومی چڑھ دوڑیں گے۔ اگر اہل یمن کو ان کے یمن سے باہر بھیج دیں گے تو گویا اہل حبش کو ان کا جانشین بنا دیں گے اور اگر آپ خود مدینے سے نکل کھڑے ہوئے تو پھر زمین آپ پر تنگ ہو جائے گی۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یا ان کے بعد کوئی جنگ ایسی نہیں لڑی جس میں ہمیں دشمن کے مقابلے میں عددی کثرت حاصل تھی۔ اس لیے اہل شام کو لکھئے کہ دو تہائی اپنے شام میں مقیم رہیں اور ایک تہائی کوچ کریں۔ اسی کے مطابق اہل عمان اور دیگر صوبہ جات اضلاع کے باشندوں کے نام ہدایات جاری فرمائیں"۔

حضرت علی کے اس قابل عمل اور سب سے بہتر مشورے پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ "میری اپنی بھی رائے یہی تھی مگر چاہتا تھا کہ آپ میری تائید کریں"۔ بہر صورت اس جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامرانی اور فتح سے سرفراز فرمایا۔

اسی طرح جنگ روم کے سلسلے میں بھی حضرت علی نے حضرت عمر فاروق کو اپنی رائے اور مشورہ پیش کیا۔ اور یہاں تک فرمایا کہ "آپ کسی تجربہ کار شخص کو ان کی جانب بھیجیں' اور اس کے ساتھ پختہ عمل' آزمودہ کار اور لوگوں کے خیر خواہ کو روانہ کیجئے' ان کو اللہ تعالیٰ غلبہ دے گا"۔ مزید یہ کہ آپ خود چونکہ مسلمانوں کے لیے جائے پناہ ہیں' اس لیے آپ کا مرکز اسلام میں رہنا زیادہ بہتر اور مستحسن ہے۔

Marfat.com

حضرت عمر فاروقؓ اپنے عہد خلافت میں بعض فقہی امور میں بھی برملا حضرت علی سے مشورہ لے لیا کرتے تھے۔ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ حضرت علی اپنے علم و ادب اور زہد و تقویٰ کے باعث متعدد امور میں دیگر ممبران شوریٰ سے مختلف لیکن صائب اور حق مشورہ دیتے تھے جسے حضرت عمر کھلے دل سے مان لیتے تھے۔

حضرت علی کے صائب اور حق مشوروں کے حوالے سے حضرت عمر فاروق اکثر برملا فرما دیا کرتے تھے کہ علی کا مشورہ زیادہ درست اور حق پر مبنی ہوتا ہے۔ اور یہ کہ جب تک حضرت علی جیسا صاحب بصیرت ہم میں موجود ہے۔ ہم گمراہ نہیں ہوسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ "حضرت عمر بڑی بڑی مہمات میں حضرت علی کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علی بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے"۔

قائم مقام خلیفہ۔ ۱۶ء ہجری میں فلسطین کی مہم کو حضرت عمرو بن العاص نے کامیابی سے سر کر لیا تو اس وقت بیت المقدس کے عیسائیوں نے معاہدہ کرنے کے لیے یہ شرط عاید کی کہ مسلمانوں کے خلیفہ خود بیت المقدس میں آکر معاہدہ لکھیں۔ لہٰذا اس مقصد کے لیے جب حضرت عمر کو وہاں جانا پڑا تو اس وقت انھوں نے اپنی جگہ پر مدینہ منورہ میں حضرت علی ہی کو اپنا قائم مقام اور نائب مقرر کیا تھا۔ اس طرح حضرت عمر کی واپسی تک حضرت علی ہی خلافت کے امور نمٹاتے رہے تھے۔

اسی طرح ۱۷ء ہجری میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق کو مقام ایلہ کی طرف جانا پڑا۔ لہٰذا اس موقع پر بھی انھوں نے حضرت علی کو ہی مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔

بطور نجران کا حاکم۔ کتاب کنز العمال میں امام ابن سیرین کہتے کہ:

"امیر المومنین عمر نے اہل نجران کی طرف تحریر کیا کہ میں علی بن ابی طالب کو آپ لوگوں کی طرف خاص وصیت کر کے روانہ کرتا ہوں کہ جو شخص تم میں سے اسلام لائے اس کے ساتھ بہتر و خوشتر معاملہ کیا جائے۔ اور ان کو میں حکم دیتا ہوں کہ زمین کی کاشت و کارکردگی کی صورت میں اس کی آمد کا نصف دیا کریں۔ اور اس زمین سے میں تمھارے اخراج کا ارادہ نہیں رکھتا جب تک کہ تم معاملہ درست رکھو اور تمھاری کارکردگی پسندیدہ رہے"۔ (بحوالہ: رحماء بینہم)

بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے پیشتر کہ جب حضرت عمر فاروق نے حضرت علی سے جنگ نہاوند کے سلسلے میں مشاورت طلب کی تھی تو اس کے بعد حضرت عمر فاروق نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا تھا کہ نہاوند کے لیے حضرت علی امیر لشکر بن کر چلے جائیں، لیکن حضرت علی نے

Marfat.com

بالوجوہ اس پیش کش کو قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کر دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد بھی حضرت علی خلیفۃ المومنین کو جابجا اپنے مشوروں اور اہم آرا سے نوازتے رہتے تھے۔ دونوں بزرگوں کے مابین باہمی اخلاق، حسن سلوک اور موانست بھرے تعلقات برقرار رہے۔

عہد عثمانی میں خدمات۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی شہادت سے پیشتر خلیفہ کے لیے جو چھ آدمیوں کی کمیٹی بنائی کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیا جائے، تو ان میں حضرت علیؓ کا نام بھی شامل تھا۔ باقی حضرات عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن وقاص، اور عبدالرحمٰن بن عوف تھے۔ ان چھ حضرات میں سے کسی ایک کو اتفاق رائے سے خلیفہ بنایا جانا تھا۔ حضرت عمر فاروق نے واصل بحق ہونے سے پہلے یہ بھی فرمایا تھا کہ خلیفہ کے انتخاب میں تین دن سے زیادہ تاخیر نہ کی جائے۔

حضرت عمر فاروق کی وفات کے بعد خلیفہ کے تقرر کے لیے حضرت طلحہ نے حضرت عثمان غنی کے حق میں رائے دے دی اور حضرت زبیر نے حضرت علیؓ کی خلافت کی حمایت کی۔ اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنا حق اختیار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو دے دیا تھا۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی دستبرداری کا اعلان کر دیا کہ میں اپنے لیے خلافت کا طلب گار نہیں ہوں، لیکن یہ معاملہ میرے سپرد کر دیا جائے۔ اس طرح اب حضرت عثمان غنی اور حضرت علی ہی خلافت کے امیدوار رہ گئے تھے۔

اس صورت حال میں چونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کی خلافت کا اعلان کر دیں۔ لہٰذا اس مقصد کی خاطر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مختلف حوالوں اور طریقوں سے ظاہری اور خفیہ طور پر اکابرین، علما، عوام الناس اور دیگر علاقوں کے لوگوں کی رائے حاصل کرنے کے بعد جمہور کی رائے کا احترام کرتے ہوئے حضرت عثمان غنی بن عفان کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ اس اعلان کے وقت مسجد میں حضرت علی بھی موجود تھے۔ لہٰذا اس موقع پر حضرت علی نے بھی نہایت وسیع القلبی کے ساتھ جمہور کی رائے کا احترام اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے فیصلے کو مانتے ہوئے اسی وقت علی الاعلان برسر مجلس حضرت عثمان غنی کی بیعت کر کے انھیں خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن بعض لوگوں نے اس سارے معاملہ بیعت عثمانی کو نزاعی رنگ دے کر پیش کیا ہے، جو قرآن مجید کے ارشاد رحماء بینھم کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ کیونکہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ساتھ ہیں، وہ سب باہمی طور پر رحم دل اور ایک دوسرے کی قدر کرنے والے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ کفار پر شدت کرنے والے

Marfat.com

ہیں۔

قرآن مجید کی اس دو ٹوک اور صریح کسوٹی اور معیار کے اعتبار سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ساتھی بہر طور باہمی لحاظ سے ایک دوسرے کے لیے رحم دل، کریم ملنسار، مونس، غم خوار اور ایک دوسرے کی عزت اور احترام کرنے والے ہیں، اس لیے ان کی کسی طرح کی باہمی عداوت اور نفاق ان بزرگوں میں بالکل نہیں تھا اور نہ ہی ان بزرگوں میں نفاق اور نفرت زیب ہی دیتی ہے۔ اس لیے قرآنی معیار کے مطابق ہم تاریخ کی رنگ آمیزیوں اور خانہ ساز نزاعات کو اہمیت نہیں دیتے۔

عملی تعاون اور مشاورت۔ حضرت عثمان غنیؓ کی بارہ سالہ خلافت راشدہ کے دوران میں حضرت علی نے امور سلطنت میں جا بجا حضرت عثمان غنی کے ساتھ عملی تعاون فرمایا۔ گویا حضرت علی کو حضرت عثمان غنیؓ نے ہمیشہ اپنی مجلس مشاورت میں رکھا، اور فقہی اور قضا و قدر کے معاملات میں حضرت علی کو امتیازی مقام دیئے رکھا۔ متعدد واقعات کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی لوگوں کے دیگر تنازعات کا فیصلہ کرتے ہوئے مدعی اور مدعا علیہ کا موقف بالخصوص حضرت علی اور حضرت طلحہ اور زبیر کے سامنے سنتے تھے۔ اگر کبھی یہ بزرگان امت وہاں نہ ہوتے تو انھیں خصوصی طور پر بلا لیا جاتا تھا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ فریقین کے بیانات سننے کے لیے حضرت عثمان غنی اور حضرات کی رائے بھی ضرور حاصل کیا کرتے تھے۔

عدل و انصاف کے بعض ایسے امور کہ جن میں کوڑوں اور دروں کی سزا کا نافذ کیا جانا ہوتا، ایسے مقدمات کو تو امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ حتی الامکان کوشش کرتے کہ ان میں یا تو ضرور حضرت علی سے رائے لے جائے اور اگر ممکن ہو تو ان امور کا فیصلہ ہی خود حضرت علی کریں۔ کئی نازک فقہی مسئلوں میں بھی حضرت علی کی رائے اور مشورے کو خاصی اہمیت دی جاتی رہی۔ اور ایسے امور میں جو فیصلے حضرت عثمان غنیؓ خود بھی اپنی بصیرت اور دینی فہم و فراست سے کرتے تھے، ان کی بھی حضرت علی اکثر تائید فرما دیا کرتے تھے۔ زنا، حد اور قصاص کے مقدمات میں حضرت عثمان غنیؓ اکثر حضرت علی بن ابی طالب کی مشاورت اور تائید حاصل کر لیا کرتے تھے، اور حضرت علی بھی پھر بڑی ہی ذمے داری کے ساتھ فیصلوں میں مدد دیتے یا دو ٹوک انداز میں فیصلہ کر دیتے۔ گویا اس اعتبار سے حضرت علی عہد عثمانی میں اعزازی طور پر عہدہ قضا پر قاضی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے تھے۔ اور یہ عمل حضرت علی کے لیے بھی اعزاز تھا کہ خلیفہ امیر المومنین کے معتمد قاضی ہیں اور امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے لیے

Marfat.com

بھی قابل فخر امر تھا کہ حضرت علی جیسے متقی' زاہد' پرہیزگار اور بے ریا منصف' قاضی ہیں۔ جا بجا ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جن میں حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت علی کے سپرد فیصلوں کے لیے کئی مقدمات پیش کیے اور حضرت علی نے ان کے فیصلے کیے۔

غلط فہمیاں!۔ اگرچہ لا تعداد صریح حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی قائم کردہ شوریٰ نے جب حضرت عثمان غنیؓ کو خلافت نبوی کی ذمے داری سونپ دی تھی تو شوریٰ اور جمہور کے اس کے باوجود بعض تاریخی روایات اور حوالوں سے یہ بھی ملتا ہے کہ خلافت عثمانی کی بیعت کرتے ہوئے حضرت علی نے قدرے دبے لفظوں میں اس طرح کی گلہ گزاری کی تھی کہ خلافت ہمارا حق ہے۔ اس پس منظر میں بعض بزرگ اور جید صحابہ کرام بھی حضرت علی بن ابی طالب کے ہم نوا بن گئے تھے۔ اس لیے وہ حضرت عثمان غنیؓ کی متعدد پالیسیوں کو ہمیشہ تنقید کا ہدف بناتے رہتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ وہ حضرت علی کے خلافت پر فائق حق پر اعلانیہ اظہار بھی کرتے رہتے تھے۔

حزب مخالف۔ گویا اس طرح حضرت عثمان غنیؓ کے خلیفہ بننے کے باوجود بھی مدینہ میں ایک طرح کی حزب مخالف بن گئی تھی۔ اور ایسے لوگوں نے حضرت علی کے چاہنے یا نہ چاہنے کے باوجود انھیں اپنی سرگرمیوں اور فرقہ بندی کا مرکز بنا لیا تھا۔ حضرت عثمان نے جب ابتدائی کچھ عرصے کے لیے اپنے تئیں بہتر افراد کو سرکاری مناصب میں جگہ دینی شروع کی تو اس مخالف گروہ میں اور بھی لوگ شامل ہو کر حضرت عثمان غنیؓ پر اقربا پروری اور اپنے رشتے داروں سے بہتر سلوک کا الزام لگانے لگے تھے۔ حالانکہ تاریخوں میں یہ واضح طور ملتا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے وہ عزیز و اقارب کہ جو بڑے بڑے مناصب پر فائض تھے' انھوں نے اسلام کو کئی اہم فتوحات سے ہمکنار کیا اور اسلامی سلطنت کو بجا طور پر وسعت بخشی۔

اس کے علاوہ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے عہد خلافت میں کئی عمال اور گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ پر لوگوں کی بہتری کے لیے اپنے اعتماد اور بھروسے کے آدمیوں کا تعین کیا تھا۔ لیکن ان کے مخالف گروہ نے حضرت عثمان غنیؓ کے اس عمل کو بھی ان کی اقربا پروری کے کھاتے میں ڈالا۔ بہر صورت حضرت عثمان غنیؓ چونکہ خود بھی ایک آسودہ حال اور صاحب حیثیت خلیفہ تھے' اس لیے انھوں نے ایک حد تک اپنے مطلب اور اپنے تئیں اپنی حکومت کے لیے مناسب افراد ہی کو اکثر فوقیت دیے رکھی تھی۔ لیکن اس کے باوجود متعدد واسطوں سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عہد عثمانی کے دوران میں امور کی مملکت کی بجا آوری میں حضرت علی خود بھی ممد و معاون رہے تھے۔ بلکہ دو ایک بار تو حضرت علیؓ نے قائم مقام خلیفہ کے

Marfat.com

طور پر بھی خدمات انجام دیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ متعدد ہاشمی بزرگوں اور افراد کو عہد عثمانی میں کئی اہم مناصب دیئے ہوئے تھے۔ کئی ہاشمی بزرگ اس دور میں عہدہ قضا پر فائز تھے۔

۲۶ء ہجری سے ۳۰ء ہجری تک جب حضرت عثمان غنیؓ نے طرابلس' افریقہ اور وسطی ایشیا اور خراسان وغیرہ کی جانب مہمات روانہ کرنے کے سلسلے میں جید صحابہ کرام اور مجلس مشاورت میں مشورہ طلب کیا تو ان بزرگوں میں حضرت علی اور حسن اور حسین بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ دیگر کئی ہاشمی صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ اسی طرح خراسان' طبرستان اور جرجان وغیرہ کے جہاد میں تو کئی ہاشمی مجاہد برسوں تک شامل رہے۔

تاریخی حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب نے نہ صرف حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کی بیعت کر رکھی تھی۔ بلکہ وہ خود اور ان کے دیگر ہاشمی لوگ جب ضرورت پیش آتی عدالت عثمانی کی طرف رجوع کرتے اور فیصلے طلب کرتے تھے۔ اور پھر جب عہد عثمانی میں جہاد کا وقت آتا تو اس وقت حضرت علی بن ابی طالب کے اپنے صاحبزادے حضرت حسن اور حسین عملی طور پر جہاد میں حصہ لیتے تھے۔

اقربا پروری پر تاثر۔ لیکن ان موانساتی صورتوں اور تعاون و مدد کے باوجود بھی ایک گروہ جو حضرت علی کو اپنا مرکز و محور سمجھتا تھا' وہ ایک طرح کی حزب مخالف کا روپ دھار گیا تھا۔ اور شاید حضرت علی نے بھی اس گروہ کو کبھی دو ٹوک الفاظ میں منع نہیں فرمایا تھا۔ حضرت علی کے سب سے بڑے بھی خواہوں اور ان کی خلافت کے طلب گاروں میں شروع دن ہی سے جناب ابو ذر غفاری' عمار بن یاسر اور مقداد بن عمرو سب سے اہم اور پر جوش تھے۔ ان اصحاب کے علاوہ بھی متعدد لوگ حضرت علی کے حامی تھے۔ حالات و واقعات کی روشنی میں جب حضرت علی کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنیؓ نے متعدد اہل اور لائق افراد و اشخاص کی موجودگی میں بھی اپنے بعض رشتہ داروں کو گورنری جیسے اہم عہدوں اور منصبوں پر فائز کر دیا ہے تو اس وقت ایک حد تک حضرت علی بھی ہر طرح کے جواز اور منطق کو بالائے طاق رکھ کر حضرت عثمان غنیؓ پر لگنے والے اقربا پروری کے الزام پر غور خوض کرنے لگتے تھے۔

جناب ابوذر غفاری کا کردار۔ حضرت ابوذر غفاری جید صحابہ کرام میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اپنی بے باکی اور ترقی پسندی کے اعتبار سے بلند مقام و مرتبہ کے مالک ہیں۔ وہ شروع دن ہی سے حضرت عثمان غنیؓ کے بجائے حضرت علی کی خلافت کے حامی اور موئید تھے۔ اس لیے ان کے ساتھ لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ بھی ان کا ہم نوا بن چکا تھا' حضرت ابوذر غفاری کا حضرت علی بن ابی طالب سے بھی بڑا پرانا اور قریبی تعلق تھا۔ عمار بن یاسر اور مقداد بن عمرو کی طرح وہ

Marfat.com

بھی ہر حالت میں حضرت علی ہی کو خلیفہ رسول بنتے دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے ان کے بیانات اور تنقیدی تجزیوں میں شدت' جوش اور جذباتیت بھی در آئی تھی۔

کتاب "حضرت عثمان غنیؓ کے سرکاری خطوط" مرتب ڈاکٹر خورشید احمد فارق' کے متعدد اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری اکثر حضرت عثمان غنیؓ کی پالیسیوں کو اپنی شدید نکتہ چینی کا ہدف بنایا کرتے تھے' اس طرح وہ حضرت علی کی پارٹی کے ایک مضبوط ستون کا درجہ اختیار کر گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جس عہد میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منصب خلافت سنبھالا تھا اور حضرت علی کی بیعت میں کچھ معمولی تاخیر واقع ہو رہی تھی' اس وقت بھی انھوں نے تو حضرت علی ہی کی خلافت کے بارے اپنا مدعا بیان کر دیا تھا۔

ابن سبا کی کارروائیاں۔ اسی اثناء میں ایک نو مسلم یہودی ابن سبا نے بھی حضرت علی کی خلافت کے حق میں لوگوں میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ ابن سبا نے حضرت ابوذر غفاری کی تحریک کو اپنے خاص منفی مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ بہر صورت اس اثناء میں ابن سبا کی کوششوں' اس کے طوفانی دوروں' شعلہ بیانیوں اور حضرت ابوذر غفاری اور ان کے ساتھیوں کی سرگرمیوں اور حضرت علی بن ابی طالب کی خاموشیوں کے باعث حضرت عثمان کے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مخالفین نے حضرت عثمان غنیؓ پر الزامات اور اعتراضات کا ایک پورا دفتر کھول دیا تھا۔ مسلمانوں کی پوری وسیع و عریض مملکت کہ جو تین بڑے براعظموں سے بھی باہر تک پھیلنے لگی تھی۔ اس میں مختلف اقوام اور گروہوں کا تنوع تھا۔ مرکز سے ہزاروں میل کے فاصلے تھے اس لیے مخالف گروہ بدستور غلط فہمیوں کو ہوا دیتا رہا اور مرکز کو متنازعہ بناتا رہا۔

عبداللہ بن سبا بنیادی طور پر ایک یہودی تھا لیکن اس نے ظاہری طور پر اپنے آپ کو مسلمان اور مسلمانوں کا حامی کہلوانا شروع کر دیا تھا۔ وہ شعلہ بیان مقرر اور لوگوں کو مختلف حوالوں سے گمراہ کرنے کے فن کا بہت بڑا ماہر تھا۔ تاریخ میں اس کا کردار و عمل و بڑا مشکوک اور رنگا رنگ دکھائی دیتا ہے۔ بعض مورخ اسے مسلمان گرداننے پر بھی مصر ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ اس شخص نے سب سے پہلے حضرت عثمان غنیؓ کے بجائے حضرت علی کی خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ اپنی اسی کوشش میں وہ شہروں شہروں گھومتا رہا اور حضرت علی کے حق میں لوگوں کی رائے عامہ ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت پر شدید نکتہ چینی کرتا رہا۔

خلافت علی کے دعویدار۔ ۲۹ ہجری میں حضرت عثمان غنیؓ نے جب بصرہ کے گورنر عبداللہ

Marfat.com

بن عامر کو مکران اور سرحد سندھ کی جانب فوج کشی کا اشارہ دیا تو بھی بالواسطہ طور پر عبداللہ بن سبا نے حکیم کے ذریعے سے اس فوج کشی کو ناکام بنانے کی کوشش کی اور اس طرح اس دور میں مزید فوج کشی نہ ہو سکی۔ یہی نہیں بلکہ ابن سبا نے اب تک توحکیم بن جبلہ کو بھی اپنے مذموم خیالات اور منصوبوں کے سحر میں جکڑ لیا تھا۔ اس لیے بعد کے برسوں میں حکیم بن جبلہ بھی حضرت عثمان غنیؓ کے مخالفین میں شریک ہو گیا تھا۔ عبداللہ بن سبا اس قدر ہوشیار' موقع پرست اور لوگوں کی خواہشات کے ساتھ کھیلنے والا تھا کہ لوگ جلد ہی اس کے بہکانے میں آ جاتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ وہ اکثر لوگوں کو تخریبی مشورے دے کر حضرت عثمان غنیؓ کی حکومت کے لیے ہمہ وقت مشکلات پیدا کرنے پر تلا رہتا تھا۔ اس کی اس طرح کی حکومت مخالف کارروائیوں کے باعث منافق اور مفسدوں کے گروہ اس کے ہمنوا بن چکے تھے۔ اپنے ذاتی کردار و عمل میں وہ شخص ایک طرح کا قزاق اور ڈاکو تھا لیکن اپنی شعلہ نوائیوں کے باعث وہ ہر مقام پر اپنا خاص وقار بنا لیتا تھا۔

اس سارے پس منظر میں عبداللہ بن سبا یعنی یہودی نو مسلم ابن سبا حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کا تختہ الٹنے کی مکمل سازش کر چکا تھا۔ اور عوام الناس کی ہمدردیاں اور ساتھ حاصل کرنے کی غرض سے وہ کہا کرتا تھا کہ میں حضرت علیؓ بن ابی طالب کو مسند خلافت پر متمکن دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ خلافت کا حق حضرت علیؓ ہی کا ہے۔ اپنی ان سازشی سرگرمیوں میں اس نے حضرت ابوذر غفاری جیسے جید اور ترقی پسند صحابی رسول کو بھی اپنا ہم نوا بنا رکھا تھا۔

اسی اثناء میں نو مسلم یہودی ابن سبا نے عربوں میں ایک نیا فلسفہ یہ بھی دینا شروع کر دیا تھا کہ مراجعت کا زمانہ آ چکا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیغمبر مسیح کی طرح اٹھا لیے گئے ہیں' اور ایک مقررہ وقت پر وہ لوٹ کر آئیں گے۔ اور اس وقت تک ان کی عدم موجودگی میں حضرت علیؓ حیدر ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ اہل اور حق دار ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ابن سبا نے یہاں تک بھی گمراہ کن باتیں کیں کہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر فاروق۔ اور حضرت عثمان' نے حضرت علیؓ کی خلافت غصب کر لی تھی۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ موجودہ دور کا تختہ الٹ کر حضرت علیؓ حیدر کو خلیفہ بنانے کی کوشش کرے۔ اپنے ان ارادوں کی تکمیل کے لیے وہ بڑے بڑے شہروں کے دورے کرتا رہتا تھا' اور حکومت عثمانی کی بیخ کنی کے لیے وہ اپنے خفیہ کارکن مقرر کرتا۔ خط و کتابت کے ذریعے سے اور پھر اپنے خصوصی سفیروں کے ذریعے سے وہ اپنی انقلابی مہم پر گامزن تھا۔

افتراق و ابتری۔ عبداللہ بن سبا تین چار سال تک اپنی ان معاندانہ اور حکومت مخالفت

Marfat.com

سرگرمیوں میں ملوث رہنے کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان غنی کے خون کا بھی پیاسا رہا۔ لیکن دعویٰ یہی کرتا رہا کہ وہ بالآخر حضرت علیؓ بن ابی طالب کی خلافت کا موئید اور حامی ہے۔ اسی اثناء میں ۳۴ء ہجری تک اس نے حزب مخالف کے لاتعداد افراد اور جماعتوں اور گروہوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔ اب تو حضرت عثمان غنیؓ کے کئی گورنر اور عامل بھی اس کی سرگرمیوں سے خائف رہنے لگے تھے۔ لیکن اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے حضرت عثمان غنیؓ نے صوبائی گورنروں کی ایک مجلس مشاورت کا اہتمام بھی کیا لیکن اس سے بھی کوئی خاطر خواہ نتائج سامنے نہ آسکے۔ صرف امیر معاوضہ نے ایک مشورہ یہ بھی دیا کہ حضرت عثمان کو چاہیے کہ وہ ان کے پاس شام میں آکر مقیم ہو جائیں اور پھر اس بغاوت کو دبانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے علاوہ ایک تجویز یہ بھی سامنے آئی کہ کہ باغی اور سرکش عناصر اور حاکموں کی تنخواہیں روک دی جائیں اور خالص عربوں میں امن و سکون کے لیے وطن سے دور فتوحات اور فوج کشیوں میں مشغول و مصروف رکھا جائے تاکہ وہ اس بے ہنگم بغاوت کا نہ تو حصہ بن سکیں اور نہ ان لوگوں کی شمولیت کے باعث ان کے مقام و مرتبہ سے متاثر ہو کر لوگ بغاوت کی آگ نہ بھڑکا سکیں۔

عبداللہ بن سبا کی معاندانہ کارروائیوں کے باعث عہد عثمانی میں حالات اس قدر مخدوش ہو گئے تھے کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف مختلف صوبوں میں بھی اب تو مخالفتوں نے سر اٹھا لیا تھا۔ ادھر مدینہ منورہ میں بھی اس عہد کی تین بڑی سیاسی جماعتوں نے اب عبداللہ سبا کی مذموم کوششوں سے متاثر ہونا شروع کر دیا تھا۔ ان کے ساتھ عبداللہ بن سبا حضرت علیؓ کی خلافت قائم کرنے پر پورا ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اس مقصد کے لیے عبداللہ بن سبا نے جناب محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ اور عمار بن یاسر کو بھی بڑی حد تک اپنا ہم خیال بنا رکھا تھا۔ اسی اثناء میں چونکہ حضرت عثمان غنیؓ کے حکم سے حضرت ابوذر غفاری کو سیاسی سرگرمیوں سے روکنے اور حکومت مخالف مجالس کے انعقاد سے باز رکھنے کے لیے مرکز سے دور بھجوا دیا تھا، اس لیے متعدد صحابہ کرام نے بھی اس انتظامی کارروائی پر تنقید کرنا شروع کر دی تھی۔

یہودی سازش۔ عبداللہ بن سبا یمن کا ایک یہودی تھا۔ اس کی شخصیت تاریخی طور پر متنازعہ فیہ رہی تھی۔ اس کے بارے میں بے شمار متضاد اور انتہا پسندانہ روایات بھی موجود ہیں۔ لیکن وہ عہد عثمانی میں اپنی فتنہ پردازیوں کے باعث زیادہ مشہور رہا ہے۔ عبداللہ بن سبا کے بارے میں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ظاہر طور پر اس نے اسلام کو قبول کر رکھا تھا۔ لیکن در پردہ وہ یہودی سازشی ہی تھا۔ اور شاید ہمیشہ تقیہ کیے رہا اور اپنی یہودیت کو اسلام کے پردے میں

Marfat.com

چھپائے رکھنے میں کامیاب رہا۔ اسی لیے اس شخص کے بارے میں بڑی ہی متضاد معلومات لوگوں تک پہنچتی رہیں۔ حضرت علیؓ چونکہ اس سے پیشتر یمن میں دو ایک بار سفارت کے حوالے سے حاکم رہ چکے تھے' اس لیے وہاں پر حضرت علیؓ نے جس مثالی انداز و اسلوب میں خدمات انجام دی تھیں ان سے یمن کی تمام اقوام اور قبائل بجا طور پر متاثر ہوئے تھے۔ یمن ہی میں ممکن ہے عبداللہ بن سبا جو اس وقت یہودی تھا وہ بھی اپنے خاص مقاصد کے تحت متاثر ہوا ہو اور حضرت علیؓ کا گرویدہ ہو گیا!

یہ بھی گمان کیا جا سکتا ہے کہ عبداللہ بن سبا نے رنگے سیار کا یہ روپ صرف مسلمانوں کی مرکزیت کو کمزور کرنے کے لیے اختیار کیا ہو' اور اسلام کے نظام میں سے جو چکا چوند ازلی نعمتیں اور انسانی فلاح و بہبود کی توانائیاں سامنے آ رہی تھیں۔ ان سے ساری اقوام عالم حیران اور ششدر تھیں۔ لیکن اس وقت بھی یہودی اور منافق اپنی تقیہ زدہ اور منافقانہ خفیہ سازشوں سے نقصان پہنچانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ عبداللہ بن سبا یعنی ابن سبا بھی انھی سازشی اور اسلام دشمن لوگوں میں سب سے امتیازی اور زیادہ پر تاثیر شخص تھا۔ آغاز میں تو عوام الناس مسلمان اس کی ساحرانہ تقریروں اور شعلہ نوا بیانات سے بڑے متاثر ہوئے تھے' اس کی سازشوں کے جال سے تو بعض جید اور اکابر صحابہ کرام بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ یہاں تک بھی معلوم ہوا ہے کہ ابن سبا نے ایک بار حضرت عثمان غنی سمیت پانچ مزید ان گورنروں کو ایک ہی دن میں قتل کرنے کی سازش کی کہ جو حضرت عثمان غنی کے سب سے زیادہ معتمد تھے۔ سازش کے مطابق ان پر ایک ہی دن میں ایک ہی وقت پر قاتلانہ حملے ہوئے لیکن وہ سب بفضل ایزدی بچ گئے۔ جن گورنروں اور بزرگوں کو قتل کرنے کی سازش کی گئی تھی' ان میں حضرت عثمان غنی' حضرت امیر معاویہ' اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے نام بھی شامل تھے۔

حضرت علیؓ کی خاموشی۔ ایک جانب تو ابن سبا کی سازشی خفیہ سرگرمیوں میں ان اکابرین کو قتل کرنا اور حضرت علیؓ کی خلافت قائم کرنے کا منصوبہ تھا' اس کے ساتھ ساتھ اسلام کو کمزور اور ناتوان کرنے کا بھی وہ درپے تھے۔ شاید ابن سبا کی ان اسلام دشمن کارروائیوں سے حضرت علیؓ بری حد تک بے خبر تھے۔ لیکن اس دوران میں حضرت علیؓ نے نہ تو کبھی اپنی سرپرستی سے نوازا اور نہ ہی شاید انھیں ایسی کارروائیوں سے منع ہی فرمایا۔ بہر صورت حضرت علیؓ کی خاموشی سے وہ شخص اپنی معاندانہ کارروائیوں میں کامیابی حاصل کرتا رہا۔

حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت میں ابن سبا ہمہ وقت بڑے بڑے اسلامی شہروں کے

Marfat.com

دورے کرتا رہا اور اپنی شعلہ نوائیوں سے لوگوں کو خلافت عثمانی کے خلاف اکساتا رہا' اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کی خلافت کو قائم کرنے اور حضرت عثمان غنیؓ کا تختہ الٹنے کی کوششوں میں مصروف رہا۔

ابن سبا کو حضرت علیؓ سے جو عقیدت تھی وہ تو بعد کے برسوں میں کھل کر سامنے آ گئی تھی اور اس کی معاندانہ سازشیں سب پر عیاں ہو گئی تھیں۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں جب وہ شخص اپنے مذموم ارادوں کے ساتھ دمشق میں پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے اسے وہاں سے زبردستی نکال باہر کیا تھا اور اس کے ایک لفظ کو بھی سننا پسند نہیں کیا تھا۔ لیکن وہاں سے بھاگ کر وہ مصر میں آ گیا تھا۔ یہاں پر اسے فضا قدرے سازگار دکھائی دی تو وہاں پر پہلے تو اس نے اپنی ہی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ لیکن کہاں خلافت اور کہاں عبداللہ بن سبا جیسا سازشی شخص!۔ جلد ہی اس ارادے سے باز آنے کے بعد دوبارہ حضرت علیؓ ہی کی خلافت کا دعویٰ کرنے لگا۔

ایک جانب تو عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمان غنیؓ اور بنو امیہ کے خلاف شدید قسم کی غلط بیانیوں' گمراہیوں اور شکایات کو عام کرنا شروع کر رکھا تھا' لیکن اس کے ساتھ ساتھ برعکس اس کے اس نے اہل بیت اور بنی ہاشم ہی کو سب سمجھا ہوا تھا۔ حالانکہ ابن سبا کو اس حقیقت کا بخوبی علم تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ جن کی مخالفت پر وہ تلا ہوا تھا وہ رسول اکرم کے سب سے بڑے ساتھی' "ذوالنورین" سابقون الاوالون" میں سے اور اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے بھی تھے۔ لیکن ابن سبا اہل بیت سے عقیدت کے پردے میں سب کچھ کرنے کے لیے تیار تھا۔

عبداللہ بن سبا نے حضرت علیؓ کی خلافت قائم کرنے کی خاطر جہاں اور کئی سازشیں شروع کر رکھی تھیں وہاں اس نے حضرت عثمان غنی کا مکمل خاتمہ اور بنو امیہ کا زوال بھی پیش نظر رکھا ہوا تھا۔ اس پر مستزاد اس نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو خدا کا درجہ بھی دے رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن سبا نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی لوگوں میں اس عقیدے کو راسخ کر دیا تھا کہ وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ آسمانوں پر اٹھا لیے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن سبا المعروف ابن سبا ہی شیعی مسلک کا بانی تھا۔ اس کے علاوہ اس کا ایک اپنا فرقہ بھی تھا جو اس کے نام سے سبائی یا سبائیہ کہلانے لگا تھا۔

جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس شخص کے بارے میں روایات میں بڑی رنگا رنگی اور تضادات ہیں۔ ایک جانب تو بہت سے مصنفین اسے شیعہ مسلک کا بانی بھی سمجھتے ہیں' لیکن اس کے برعکس ابن علی لکھتے ہیں کہ "عبداللہ بن سبا جس قدر کہا جا سکے' اس سے بھی زیادہ

Marfat.com

ملعون ہے"۔ بہر صورت اس ملعون کی سازشوں اور معاندانہ کارروائیوں کے نتیجہ میں حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے قریباً آخری چھ سال شدید افتراق وابتری میں گزرے۔

محاصرہ عثمانی اور حضرت علیؓ۔ حضرت عثمان غنی کے آخری چھ برسوں میں حضرت علیؓ نے اگرچہ خود خلافت کے معاملے میں خاموشی سے کام لیا تھا لیکن اس کے باوجود متعدد امور کے حوالے سے حضرت عثمان غنیؓ انھیں اپنی مشاورت میں شامل رکھتے تھے۔ ۳۴ھ ہجری میں باغیوں کی سرگرمیاں اور کارروائیاں عروج کی جانب بڑھ چکی تھیں۔ لیکن اس دوران میں بھی حضرت عثمان غنی بلا تامل حضرت علیؓ کے مشوروں اور آراء کے متمنی رہتے تھے۔ اسی اثناء میں سازشیوں اور باغیوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ باغی بدستور حضرت عثمان غنی کو کلی طور پر ختم کرنے کے لیے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ اپنے ارادوں پر ڈٹے ہوئے تھے۔ اس ساری کیفیت کو دیکھ کر حضرت علیؓ بھی ایک طرح سے مایوس ہو کر مدینہ سے باہر یا اقصائے مدینہ میں چلے گئے تھے۔ لیکن اس نازک ترین صورت حال میں بھی حضرت عثمان غنیؓ اکثر حضرت علیؓ کو مشاورت کے لیے بلاتے رہتے تھے۔

اس پس منظر میں حضرت عثمان غنیؓ کی سرکاری خط و کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ "محاصرہ سے پہلے حضرت عثمان غنی (اور) حضرت علیؓ حیدر سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ کبھی علی حیدر۔ عثمان غنیؓ کی کوٹھی پر احتجاج و شکایت کرنے آتے اور کبھی عثمان غنیؓ علی حیدر کے گھر عیادت، احتجاج و شکایات یا تالیف قلب کے لیے جاتے۔ محاصرہ کے بعد یہ رابطہ ٹوٹ گیا"۔

حضرت عثمان غنیؓ کیا چاہتے ہیں۔ اسی ذیل میں "نہج البلاغہ" میں بھی قدرے برنگ دگر ایک مختصر سی عبادت ملتی ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کیا چاہتے ہیں۔ "عثمان فقط یہ چاہتے ہیں کہ مجھے کنویں سے پانی کھینچنے والا اونٹ بنا لیں کہ ڈول نکال کر آگے بڑھوں اور پیچھے ہٹوں۔ (ایک مرتبہ) آدمی بھیجا ہے کہ چلا جاؤں۔ خدا کی قسم میں نے اتنی مرتبہ ان کی حمایت کی، مجھے ڈر ہے کہ (اگر اب حمایت کی تو) گناہ گار ہو جاؤں گا"۔

حضرت عثمان غنیؓ پر باغیوں نے محاصرہ تنگ کر رکھا تھا۔ اکابر صحابہ کرام کسی طرح کی بدمزگی یا مدینہ کے مخدوش حالات کے پیش نظر مدینہ کو چھوڑ کر کہیں اور مقامات پر جا چکے تھے۔ خانوادہ علی کے کئی اہم جوان اور فرد باغیوں کو ان کے ارادوں سے باز رکھنے اور حضرت عثمان غنیؓ کی حفاظت کے لیے بڑی مستعدی سے متعین تھے۔ بلکہ اسی اثناء میں ایک بار خود حضرت علیؓ نے باغیوں سے بات چیت کر کے انھیں مدینہ منورہ سے چلے جانے پر آمادہ کر لیا تھا۔ لیکن اسی اثناء میں حالات نے ایک بار پھر ڈرامائی انداز میں پلٹا کھایا اور باغیوں نے دوبارہ حضرت

Marfat.com

عثمان غنی کے مکان کو اپنے نرغے میں لے کر اب تو حضرت عثمان غنی تک اشیائے خورد و نوش کی ترسیل کو بھی جبراً" روک دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کا دائرہ کار تین براعظموں کی حدود سے بھی نکل کر اس عہد کی پوری دنیا میں سب سے بڑا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ اس نازک وقت پر بھی حضرت عثمان غنیؓ کے گھر کے اندر قریباً سات سو افراد ایسے بھی موجود تھے کہ جو ان کی حفاظت کرنے اور باغیوں کو واپس بھگانے کے لیے کافی تھے۔ لیکن شاید مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

عثمانؓ بنام علیؓ۔ اس نازک ترین اور کٹھن مرحلے پر بھی خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو اپنی کیفیت کے بارے میں ایک تاریخی خط لکھا۔ یہ معرکہ آرا خط اپنی علمی اور ادبی حیثیت اور جناب حضرت علیؓ بن ابی طالب کے رتبے اور حضرت عثمان بن عفان کی الفت و موانست کو بھی ظاہر کرتا ہے: حضرت عثمان غنیؓ کہتے ہیں کہ:

"واضح ہو کہ باڑہ کا پانی ٹیلہ تک پہنچ گیا ہے۔ اور (اونٹ کے پالان کا) تسمہ تھنوں کے پیچھے جا پڑا ہے۔ اور وہ لوگ مجھے مارنے کے درپے ہیں جو اپنی حفاظت سے قاصر تھے۔ شریفوں کے لیے گھٹیا اور ادنیٰ لوگوں سے نمٹنا اور عہدہ برا ہونا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ (اس لیے) میرے پاس آ جاؤ، جس ارادہ سے بھی چاہو، دوست بن کر یا دشمن، حامی بن کر یا مخالف۔۔۔ اگر مجھے قتل کرنا ہے تو تم مجھ کو قتل کرو۔ ورنہ آ کر مجھے بچا لو، اس سے پہلے کہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے"۔

اس قدر گرویدگی بھرے مکتوب کے باوجود بھی شاید حضرت علیؓ مدینہ میں نہ ہونے کے باعث حضرت عثمان غنیؓ کو باغیوں اور ان کے دشمنوں سے نہ بچا سکے۔ اور جس بے دردی کے ساتھ وہ شہید ہوئے تاریخ اسلام میں اس کی مثالیں کم ہیں۔

حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ سوم پر دشمنوں کے الزامات کی فہرست طویل تھی، لیکن حضرت عثمان غنیؓ ان الزامات میں کم سے کم یا بالکل ملوث نہیں تھے۔ اس حقیقت میں بھی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ عثمان غنی دولت مند تھے، لیکن دولت پرست نہ تھے۔ خود دار تھے لیکن خود غرض نہ تھے۔ مروت شاید ان کی سب سے بڑی صفت تھی۔ میزان مروت میں ذوالقربا اولین حق دار تھے۔ وہ مشکلات اور دکھ دور کرنے کے لیے ہی خرچ نہ کرتے بلکہ روٹھوں کو منانے اور بگڑوں کی تالیف قلب کے لیے بھی خرچ کرتے تھے۔ ان کا بہت بڑا کنبہ تھا جس میں خوشحال کم تھے نادار زیادہ۔ قریش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں میں ان کے خاندان کے کافی کمانے والے مارے گئے تھے۔ (پھر ان میں سے کئی افراد تو جنگ بدر میں صرف

Marfat.com

حضرت علیؓ کی تلوار کا لقمہ ہوئے تھے) بہت سی عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان غنی سب کے غم خوار تھے۔ سارے یتیم بچوں کو انھوں نے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا تھا۔ ان کا خرچ اور تعلیم و تربیت سب ان کے ذمے تھی"۔ (بحوالہ 'حضرت عثمان کے سرکاری خطوط' ڈاکٹر خورشید احمد فارق)۔

"نہج البلاغہ" میں حضرت علیؓ نے متعدد مقامات پر حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ سوم کے بارے میں اپنے خطبات' مکتوبات اور تحریروں میں کئی حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ بعض صورتوں میں نہج البلاغہ میں حضرت عثمان غنیؓ کے قریباً پورے عہد خلافت' ان کی پالیسیوں سیاسی لغزشوں' ان کے خلاف سازشیوں اور باغیوں کی کارروائیوں کے بارے میں بھی بہت معلومات فراہم کی ہیں۔ ان امور کے ساتھ حضرت علیؓ نے نہج البلاغہ میں حضرت عثمان کی شہادت کے ضمن میں اپنی حالت' کیفیت اور کردار کی بھی دو ٹوک انداز میں وضاحت کی ہے۔

ذیل میں ہم اسی طرح کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کے کردار و عمل اور ان کی بعض پالیسیوں کا ایک مقام پر اس طرح سے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ بہت نرم دل تھے۔ شارح نے یوں تشریح کی ہے کہ:

"حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ثالث اپنے مزاج اور افتاد طبع کے لحاظ سے بہت نرم خو تھے۔ ان کی شہادت کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان کے رحم و مروت سے لوگوں نے خاص طور پر ہم نشینوں' اور ہم قبیلہ اصحاب نے زیادہ سے زیادہ ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اس اعتبار سے عہد عثمانی میں بہت سے ایسے لوگوں کو جاگیریں مل گئیں جو خدمات اور کارناموں کے اعتبار سے مستحق نہیں تھے"۔ دشمنوں نے ان کی ایسی باتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ان اقدامات کی آڑ لے کر دشمنوں کو اکسایا' الزامات عاید کیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بد امنی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

نوعیت خون عثمان غنیؓ۔ حضرت علیؓ نے قتل و عثمان غنیؓ کے بارے میں ایک نفسیاتی پس منظر کے ساتھ یوں فرمایا کہ:

"اگر میں قتل عثمان کا حکم دیتا تو (بلاشبہ) میں قاتل ہوتا۔ یا اگر میں اس کام سے لوگوں کو باز رکھتا تو پھر مددگاروں میں میرا شمار ہوتا' جس نے عثمان غنیؓ کی یاوری کی وہ کب یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں جس نے مدد نہیں کی! اور (اسی طرح) جس نے عثمان کی مدد نہیں کی وہ کب یہ کہہ سکتا ہے کہ جس نے ان کی مدد کی وہ مجھ سے بہتر ہے۔ میں تمہارے سامنے اس مسئلہ کے تمام پہلو رکھے دیتا ہوں۔ عثمان نے خودرائی اختیار کی۔ اور تم نے بے صبری کا برا مظاہرہ کیا۔ اب معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے' وہی ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرے گا"۔

Marfat.com

حضرت عثمان غنی کی شہادت کی جو وجوہات اور عوامل ثابت ہوئے مختلف تاریخی حوالوں سے ان کا یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ تناظریہ ہے:

''حضرت عثمان غنیؓ کے رحم و مروت اور رواداری نے لوگوں میں حق طلبی کی مادہ پیدا کیا۔ بنو امیہ کے جو لوگ عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں بر سر اقتدار ہوئے' ان کے عدم استحقاق نے لوگوں کو مشتعل کیا۔ مصر' کوفہ اور بصرہ کے لوگ عزل عثمانؓ پر متفق ہو گئے تھے۔ یہ لوگ جتھہ بنا کر مدینہ آئے اور شورش کا آغاز کیا تو حضرت علیؓ کی فہمائش سے متاثر ہو کر واپس چلے گئے۔ حضرت علیؓ نے فہمائش کا خطرہ اس وقت مول لیا جب حضرت طلحہ و زبیر دخل دینے سے انکار کر چکے تھے۔ راستہ میں خلیفہ کا قاصد ملا جو یہ حکم لے کر جا رہا تھا کہ ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے۔ مشتعل ہو کر یہ لوگ واپس آئے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس خط سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ان لوگوں نے کہا ایسا غافل شخص خلافت کا مستحق نہیں' لہٰذا دستبرداری کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اس مطالبہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ باغیوں نے محاصرہ کر لیا۔ حضرت علیؓ نے اپنے جگر گوشوں حسن و حسین کو حفاظت پر مامور کیا۔ باغیوں نے حضرت عثمان غنیؓ کو قتل کر دیا۔ حسنین مدافعت میں زخمی ہوئے''۔

نہج البلاغہ ہی میں ایک واقعہ یوں بھی لکھا گیا ہے کہ جب حالات نازک ہوتے گئے تو اس وقت لوگوں نے حضرت علیؓ کو ایک طرح سے سفیر کے طور پر حضرت عثمان غنیؓ کے پاس بھجوایا۔ اس واقعہ کے بارے میں جس طرح سے حضرت علیؓ کا بیان ہے وہ بھی اس وقت نازک صورت حال کی عکاسی کرتا ہے۔

حضرت عثمان غنیؓ سے مکالمہ۔ ''حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں شکایات لے کر ایک وفد حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آپ حضرت عثمان غنیؓ سے گفتگو کر کے انھیں سمجھائیں۔ چنانچہ آپ حضرت عثمان غنیؓ کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں جا کر فرمایا''۔

''لوگ میرے پیچھے پیچھے (آ رہے) ہیں۔ انھوں نے مجھے اپنے اور آپ کے مابین سفیر بنایا ہے۔ میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس سے آپ ناواقف ہوں۔ نہ میں کسی ایسے امر کی طرف آپ کی رہنمائی کر سکتا ہوں جسے آپ نہ جانتے ہوں۔ جو آپ جانتے ہیں وہی ہم جانتے ہیں۔ جس طرح ہم نے دیکھا اسی طرح آپ نے دیکھا۔ جس طرح ہم نے سنا اسی طرح آپ نے سنا۔ جس طرح ہم رسول اللہ کے شرف صحبت سے مشرف ہوئے اسی طرح آپ بھی ہوئے۔ ابو بکر عمر بھی عمل حق پر عمل کرنے میں آپ سے زیادہ سزاوار نہیں تھے' کیونکہ بہ اعتبار قرابت آپ

Marfat.com

رسول اللہ سے ان دونوں کے مقابلہ میں نزدیک تر ہیں۔ پس اپنے بارے میں خدا سے ڈریئے۔ کیونکہ خدا کی قسم آپ ایسے نہیں ہیں کہ کوری سے آپ کو بینا کیا جائے' اور جہالت سے آپ کو بینا کیا جائے۔ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس امت کے امام مقتول نہ بنیے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اس امت میں جو امام قتل کیا جائے اس کے اثر قتل سے خونریزی اور خانہ جنگی کی راہ قیامت تک کھل جائے گی' امور مشتبہ ہو جائیں گے اور تباہ کاری پھیل جائے گی"۔

"حضرت عثمان غنیؓ نے (یہ باتیں سن کر جواب میں) ارشاد فرمایا:

"آپ لوگوں سے گفتگو کیجئے کہ مجھے مہلت دیں تاکہ ان پر جو ستم رانیاں اور زیادتیاں ہو چکی ہیں' ان کا تدارک کر دوں"۔ (اس کے جواب میں) حضرت علیؓ نے فرمایا' جو لوگ مدینہ میں موجود ہیں ان کے بارے میں مہلت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور جو لوگ یہاں نہیں ہیں ان تک آپ کا جواب پہنچنا ہی مہلت ہے"۔ یہاں تک بھی حضرت علیؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے فرمایا کہ آپ اس کہنہ سالی اور سال خوردگی میں مروان کے ہاتھوں میں کھلونا نہ بن جایئے کہ جہاں چاہے اٹھائے پھرے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے جس شخص کی بیعت بڑے وثوق اور اعتماد کے ساتھ کی' اسے تمام تر حفاظتی انتظامات کے باوجود باغیوں نے بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کی بیعت کے بارے میں حضرت علیؓ نے واضح طور پر فرمایا تھا کہ:

"تم (اچھی طرح) جانتے ہو کہ میں خلافت کا ہر شخص کے مقابلے میں زیادہ شائستہ اور سزاوار ہوں (پھر بھی ایثار سے کام لوں گا اور) اس وقت تک بیعت کو تسلیم کرتا رہوں گا جب تک امور مسلمین روبراہ رہیں گے' اور جور و ستم بس مجھی پر ہوتا رہے گا اور (میری یہ خو کے) تسلیم و رضا خدائے تعالیٰ سے اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے ہے۔

بہرصورت حضرت عثمان غنیؓ نے قریباً بارہ سال تک مسند خلافت پر گزارے۔ ان میں سے پہلے چھ سال کم لیکن آخری چھ سال کانٹوں کی سیج سے بھی بدتر رہے۔

شہادت عثمان غنیؓ کے بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب کو مسلمانوں کا چوتھا خلیفہ راشد بنادیا گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ۱۸۔ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو شہادت پائی۔ ان کے بعد حضرت علی کو امیر المومنین بنا لیا گیا۔

Marfat.com

باب—۷

حضرت علیؓ کا عہد خلافت

خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ کو باغیوں نے ۱۸- ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو شہید کر دیا تھا۔ شہادت کی خبر پر متعلقین میں کہرام مچ گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین کی شہادت پر حضرت علیؓ نڈھال ہو گئے۔ اس کے بعد دفن وغیرہ میں حضرت علیؓ اور ان کے اقارب اور اولاد نے ہی سب سے زیادہ حصہ لیا۔

"اخبار الطوال" کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ "ان (حضرت عثمان غنیؓ) کے قتل کے بعد تین روز تک مسلمان بلا امام رہے۔ حضرت غافقی لوگوں کو نماز پڑھا دیتے تھے۔ آخر لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی"۔

حضرت علیؓ کا خطاب— اپنی خلافت کے پس منظر میں حضرت علیؓ بن ابی طالب نے جو کچھ بتایا اس سلسلے میں نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ "پس (شہادت عثمان کے بعد) کسی چیز نے مجھے اتنا پریشان نہیں کیا جتنا اس بات نے کہ لوگ' اس کثرت سے (ہرچہار طرف سے) مجھ پر (بیعت کے لیے) پڑ رہے تھے' جیسے بجو کی گردن کے بال یہاں تک کہ حسن اور حسین (اس اژدہام سے) کچل گئے' اور میری ردا پھٹ گئی"۔

اس طرح جوش جذبے اور شدت چاہت کے ساتھ لوگوں نے جب خلیفہ چہارم حضرت علیؓ بن ابی طالب کی بیعت کر لی تو اس کے بعد حضرت علیؓ نے قوم سے پہلا خطاب بطور خلیفہ یوں فرمایا کہ:

"اے لوگو! تم نے میری بیعت انھی شرائط پر کی ہے جن شرائط پر میرے پیشروؤں کی بیعت کی تھی۔ انتخاب کا حق بیعت سے قبل ہوتا ہے۔ جب بیعت ہو گئی تو انتخاب ختم ہو گیا۔ پھر امام کا فرض یہ ہے کہ سیدھی راہ پر گامزن رہے اور رعیت کا فرض یہ ہے کہ سر تسلیم خم کرے۔ یہ بیعت۔ بیعت عام ہے جو اسے قبول نہ کرے گا وہ اسلام سے دور ہو جائے گا۔ بیعت سوچ سمجھ کر عمل میں لائی گئی ہے۔ ناگہانی طور پر ظہور میں نہیں آئی"۔

نہج البلاغہ کی روایت کے مطابق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اسی پہلے خطاب میں

Marfat.com

حضرت علیؓ بن ابی طالب جب لوگوں کی بیعت لے چکے تو اسی وقت سے بعض لوگوں نے اعتراض اور مخالفت اختیار کر لی تھی۔ اس ضمن میں حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں کہ "پھر جب میں بیعت کے لیے اٹھا' اور امر خلافت میں مشغول ہوا' تو ایک گروہ نے میری بیعت کو توڑ دیا۔ اور ایک دوسری جماعت بھی دائرہ بیعت سے خارج ہو گئی۔ کچھ لوگ بھی جادہ حق سے منحرف ہو گئے"۔ اس کے بعد حالات بدلتے گئے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے مزید فرمایا کہ ان لوگوں کی مثال ایسے تھی:

"جیسے ان لوگوں نے خدا کا یہ کلام سنا ہی نہ تھا کہ "سرائے جاودانی ان کے لیے ہے جو زمین پر فتنہ و فساد نہیں کرتے اور جزائے نیک پرہیزگاروں ہی کے لیے"!۔ ہاں خدا کی قسم انھوں نے سنا اور اچھی طرح سنا۔ مگر یہ کہ آراستہ دنیا اور اس کی زینت انھیں زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ یہ حق سے روگرداں ہو گئے۔ سرکشی کے خوگر بنے' اور دنیا کو فساد و آشوب میں مبتلا کر دیا۔ اور ہاں' اے لوگو! اس خدا کی قسم جس نے دانہ کو چیرا' اور جس نے انسان کو خلق کیا' اگر لوگ اس کثرت کے ساتھ حاضر نہ ہوتے (اور میری بیعت نہ کر لیتے) اور مددگاروں کی وجہ سے مجھ پر حجت تمام نہ ہو جاتی اور علماء سے خدائی عہد یہ نہ ہوتا کہ وہ ظالم کی شکم سیری (ظلم) اور مظلوم کی گرسنگی (مظلومیت) پر راضی نہ ہوں' تو بلاشبہ ناقہ خلافت کی مہار میں اسی کی پیٹھ پر ڈال دیتا (کہ ناقہ خلافت جدھر جائے' جس خار دار کو چاہے چراگاہ بنا لے اور راہ ضلالت و گمراہی میں پڑ جائے) اور بلاشبہ آخر بھی اسے وہی کاسہ آب دیتا جو پہلے دے چکا تھا' اور تم جان لیتے کہ تمھاری یہ دنیا میرے نزدیک بکری کی چھینک سے بھی زیادہ حقیر ہے"۔

غیر واضح حالات۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جن لوگوں نے خلافت قبول کر لینے کی درخواست کی ان میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سب سے پیش پیش تھے حالانکہ یہاں تک بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت علیؓ منصب خلافت قبول کرنے سے انکار فرماتے رہے لیکن لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر انھوں نے اس منصب کو قبول کیا تھا۔ اس لیے بے شمار لوگوں نے بخوشی بیعت کر لی تھی۔ لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی' اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی ایک طرح سے نالاں ہی دکھائی دیتے رہے تھے۔

تاریخی حوالوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے لوگوں سے بیعت لینے کے بعد سب سے پہلے حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص پر توجہ دی تو اس پس منظر میں محمد بن ابی بکر نے اس موقف سے انکار کر دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ زوجہ محترمہ حضرت عثمان غنیؓ جناب نائلہ نے

Marfat.com

تو یہ بھی تصدیق کر دی تھی کہ محمد بن ابی بکر' حضرت عثمان غنیؓ کے قتل کرنے والوں میں نہیں تھے۔ شاید دیگر قاتلوں کو بھی حضرت نائلہ پہچانتی نہیں تھیں۔ محمد بن ابی بکر کو بھی وہ اچھی طرح سے نہیں پہچان سکتی تھیں۔ اور اس اعتبار سے شرعی شہادت نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو قصاص کی سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔

یوں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا پس منظر دھندلانے لگا تھا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کی بیعت کرنے کے بعد حضرت طلحہ اور حضرت زبیر خلیفہ سے باقاعدہ اجازت لے کر حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس مکہ مکرمہ میں چلے گئے تھے۔ جب انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کو حالات کی ابتری کی خبر کی تو اس وقت وہ قصاص کے لیے زیادہ سنجیدہ اور سخت ہو گئی تھیں۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان غنیؓ کی بیوہ حضرت نائلہ مدینہ ہی میں مقیم رہیں۔ لیکن حفاظت شوہر کے دوران میں ان کی جو انگلیاں کٹ گئی تھیں وہ اور حضرت عثمان غنیؓ ذوالنورین کا خون آلود کرتہ شام میں امیر معاویہ کے پاس پہنچ گیا تھا۔ جناب امیر معاویہ حضرت عمر کے زمانہ سے گورنر تھے' اس وقت تک انھیں اپنے منصب پر متعین ہوئے سترہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ وہ بڑے با تدبیر منتظم تھے اور حضرت عثمان غنیؓ کے پر آشوب دور میں بھی بہی خواہ رہے تھے۔ انھیں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے جو صدمہ ہوا وہ فطری اور امری تھا۔ اس لیے انھوں نے شام میں حضرت عثمان غنیؓ کے خون آلود کرتہ اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کر کے لوگوں کے جذبات کو خاصا بھڑکا دیا تھا' اس لیے شہادت عثمان غنیؓ پر ہر طرف سے انتقام لینے کی صدائیں گونجنے لگی تھیں۔

ہر شخص کی چونکہ اپنی حکومتی حکمت علمی ہوتی ہے' اس لیے بیعت لینے کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ چہارم نے عہد عثمانی کے کئی عمال کو معزول کر دیا تھا۔ اس عمل پر امیر معاویہ نے بھی اب کھل کر قصاص کا دعویٰ کر دیا اور اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کرنے کے ساتھ ساتھ قصاص کے لیے وہ لڑنے پر بھی تیار ہو گئے۔

قصاص اور قاتلین عثمانؓ۔ قاتلین حضرت عثمانؓ سے قصاص کے ان دعووں سے بہت پہلے بھی کہ جب حضرت علیؓ کے دست مبارک پر لوگوں نے بیعت کی تو اس وقت بھی یہ مطالبہ کیا جانے لگا تھا۔ اس پس منظر میں "نہج البلاغہ" میں حضرت علیؓ کے حوالے سے مذکور ہے کہ لوگوں نے امیر المومنین نے عرض کیا "کاش آپ ان لوگوں کو سزا دیتے جنھوں نے قتل عثمان کے لیے لشکر جمع کیا تھا"۔ پس اس وقت امیر المومنین حضرت علیؓ نے فرمایا:

"بھائیو! جو بات تم جانتے ہو' میں بھی اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن میرے پاس (کیفر

Marfat.com

تک پہنچانے کی) طاقت کہاں ہے؟ حالت تو یہ ہے کہ جس گروہ نے (قتل عثمان کے لیے) لشکر کشی کی (یہ آشوب برپا کیا) پوری قوت و طاقت کے ساتھ باقی ہے۔ یہ لوگ مجھ پر تسلط رکھتے ہیں' میں ان پر مسلط نہیں ہوں۔ اور آگاہ ہو جاؤ کہ قاتلین عثمان ایسے لوگ ہیں کہ تمھارے غلام ان کے یار بنے ہوئے ہیں اور تمھارے بادیہ نشین ان سے ملے ہوئے ہیں اور یہ قاتلین (کہیں باہر نہیں) خود تم میں موجود ہیں۔ ہنوز مدینہ سے باہر نہیں گئے ہیں' تمھیں ہر طرح کا آزار پہنچا سکتے ہیں۔ اور کیا تمھیں اس کا کوئی امکان نظر آتا ہے کہ ان پر غالب آ سکو؟ کوئی شبہ نہیں' یہ کام بے وقوفی کی وجہ سے واقع ہوا۔ ان لوگوں کے پاس کمک اور امداد کی کمی نہیں' اور جب لوگوں کو ان کے خلاف آمادہ عمل کیا جائے گا تو چند ٹکڑیوں میں بٹ جائیں گے"۔

امیر معاویہ کے نام خط۔ خلیفہ چہارم حضرت علیؓ نے "حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں کا پتا چلانے اور ان سے قصاص لینے کی خاطر کسی طرح کی کوتاہی سے کام نہیں لیا تھا۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ متعین عدد پر کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی"۔ حضرت نائلہ بھی اس سلسلے میں مجرموں کی نشاندھی نہ کر سکیں۔ "غرض تحقیق و تفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتا نہ چلا"۔ بہر صورت اسی اثنا میں حضرت علیؓ نے مختلف صوبوں کی طرف اپنے نئے گورنر روانہ کر دیئے تھے۔ اور پھر عراق کی جانب کوچ کرنے کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔ اس سلسلے میں بھی حضرت سعد بن ابی وقاص' عبداللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ انصاری نے عراق کی جانب حضرت علیؓ کے اس عزم کی تائید نہیں کی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت علیؓ کو اس امر کی بھی خبر ہو چکی تھی کہ امیر معاویہ نے مخالفت کی راہ اختیار کر رکھی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی تھی کہ شام کے لوگ حضرت علیؓ کی بیعت کر چکے ہیں۔ اس پس منظر میں حضرت علیؓ امیر المومنین نے امیر معاویہ کے نام خط لکھا جس میں باقی تفصیلات کے علاوہ تحریر کیا "امابعد! حضرت عثمان جس آفت کا شکار ہوئے تمھیں معلوم ہے۔ تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں نے متفقہ طور پر میری بیعت کر لی ہے۔ اب خواہ سلامتی کے حلقے میں داخل ہو جاؤ۔ خواہ جنگ کی راہ اختیار کرو"۔

"اخبار الطوال" میں ابو حنیفہ الدینوری نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے اس خط کے جواب میں امیر معاویہ نے صرف "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھا۔ خط کو ایک چرب زبان اور دلیر شخص عبسی لے کر روانہ ہوا۔ اس نے حضرت علیؓ کی مجلس میں آ کر اپنی زبان دانی سے شعلہ نوائی کا کام لیا اور غالباً ترجمان کے ذریعے سے بتایا کہ ۔۔۔ "میں اپنے پیچھے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو چھوڑ آیا ہوں' جنھوں نے قمیص عثمان کے سائے میں رو رو کر اپنی داڑھیوں کو رنگ لیا

Marfat.com

ہے۔ انھوں نے وہ قمیص نیزوں پر اٹھا رکھی تھی اور خدا سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ جب تک عثمان کے قاتلوں کو ہلاک نہیں کر لیتے تلواروں کو نیام میں نہیں کریں گے' یا یہ کہ خود ان کی روحیں بھی اللہ سے جا ملیں"۔

یہ سن کر خالد بن زفر عبسی اٹھ کھڑے ہوئے اور اس عبسی پیامبر سے کہا "قسم خدا کی اے قاصد شام تو بہت برا ہے۔ خدا کی قسم نہ وہ قمیص قمیص یوسف ہے' اور نہ وہ غم غم یعقوب ہے۔ یہ شام میں رونے والے وہی ہیں۔ جنھوں نے ان کو عراق میں بے یارو مددگار چھوڑ دیا تھا"۔

اس کے بعد آخر حضرت علیؓ نے اعلان کرا دیا کہ لوگو عراق کی جانب کوچ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس پر بھی کچھ لوگوں نے مخالفت کی لیکن حضرت علیؓ نے اپنی تیاری جاری رکھی۔ یہی نہیں بلکہ بیعت سے انکاری لوگوں کے بارے میں بھی فرمایا کہ "میں انھیں کچھ نہ کہوں گا' وہ جانیں اور ان کی رائے"۔ اس صورت حال کے باوجود بھی بے شمار لوگوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا۔ شرفائے انصار نے کچھ پس و پیش کے ساتھ عواقب و نتائج کی جانب توجہ دلائی تو حضرت علیؓ نے اس حوالے سے فرمایا کہ "اموال بھی عراق میں ہیں اور افراد بھی۔ حملہ اہل شام پر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ شام کے قریب رہوں"۔ اس کے بعد نقارہ کوچ بجا اور روانگی شروع ہو گئی۔

زوجہ نبوی حضرت عائشہ صدیقہ نے خلافت راشدہ کے دور میں اپنا فعال سیاسی کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہاں تک بھی بتایا جاتا ہے کہ جب خلیفہ دوم عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد چھ ارکان میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنانا مقصود تھا تو اس وقت ایک لمحہ ایسا بھی آیا کہ جب خلافت کے تمام امیدوار (حضرت طلحہ اس وقت ان میں شامل نہیں تھے) بی بی عائشہ صدیقہ کے کمرہ کے قریب جا بیٹھے اور انتخابی گفتگو ہونے لگی۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ آوازیں بلند ہونے لگیں اور تمام ارکان' خلافت کے لیے اپنی اپنی فضیلت اور اہلیت کا پرزور اظہار کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جھگڑا یا تصادم ہو رہا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس وقت تک حضرت عائشہ صدیقہ کئی بار حضرت علیؓ کے بارے میں اپنی ناخوشی کا اظہار کر چکی تھیں۔

امت روایات میں کھو گئی۔ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جب بنیان مرصوص کو توڑ کر رحماء بینھم کے رحمت بخش سایوں سے دور ہو گئی تو پھر اسے روایات میں کھونے سے کوئی نہ بچا سکا۔ نفاق اور تفرقے کا ایک ایسا بیج پڑا کہ اس کی بخت آوری کے بعد سب کچھ دھندلا کر رہ گیا۔ صحابی سے صحابی اور بزرگ سے بزرگ مخاصمت اور عداوت کا بوجھ اٹھائے ہوئے ٹکرا

Marfat.com

گیا۔ خانوادہ رسول کے بھی حصے بخرے ہو گئے۔ داماد ساس سے یعنی بیٹا مجازی ماں کے سامنے آگیا۔ عشرہ مبشرہ صحابیوں کا بھی کوئی وقار اور رائے نہ رہی۔ امت کا ایک گروہ دوسرے گروہ سے مصروف جنگ و جدل ہو گیا۔

پھر روایات تاریخ میں اس طرح پیوست ہو کر رہ گئیں کہ انھیں الگ کرنا محال اور مشکل ہو گیا اور دھندلکے ہی پھیلتے چلے گئے۔

روایات میں بتایا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ خود بھی خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی کے عہد میں حضرت علیؓ سے کبیدہ خاطر رہتی تھیں "اور ہرگز نہیں چاہتی تھیں کہ ان کو خلافت ملے"۔ اس طرح "لوگوں میں یہ بات عام ہو چکی تھی کہ حضرت عائشہ ۔ حضرت علیؓ سے خوش نہیں ہیں"۔ بعض مورخین نے حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ میں خوشگوار تعلقات قائم نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی ہے کہ واقعہ افک میں حضرت علیؓ کی تجویز اور کردار حضرت عائشہ کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔ ڈاکٹر طہٰ حسین مصری نے اپنی کتاب "تاریخ اور سیاست کی روشنی میں حضرت علیؓ" ۔ میں اسی حوالے سے تحریر کیا ہے کہ "جب حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مدینہ میں حضرت علیؓ کی بیعت کی جا چکی' تو یہ خبر سن کر حضرت عائشہ کو بڑی کوفت ہوئی اور کہا کہ: علی کو خلیفہ دیکھنے سے پہلے اچھا ہوتا کہ آسمان گر پڑتا"۔

خلافت راشدہ کے آخری دور کی مسلمانوں کی تاریخ میں جو زبردست اور موثر ترین شخصیات تھیں' ان میں حضرت عائشہ کا مقام خاصا اہم تھا۔ اسی پس منظر میں طہٰ حسین نے لکھا ہے کہ "وہ اپنے والد کی طرح نرم دل نہ تھیں بلکہ ان میں فاروق اعظم کی طرح شدت بھی تھی۔ پھر وہ اس وراثت کی بھی خاص حصہ دار تھیں جو جاہلیت کے دور نے عربوں کو دی تھی"۔ چنانچہ وہ بہت زیرک' ذہین' فطین' کینہ پرور' لسان اور حافظے کی بھی بڑی ہی مشاق تھیں۔ انھیں عام عربوں کی طرح شعرو شاعری کا بھی بڑا ذوق تھا۔ اسی لیے "وہ بہت سے اشعار یاد رکھتی تھیں۔ اور برمحل پیش کیا کرتی تھیں۔ (یہاں تک کہ انھوں نے) اپنے والد (حضرت ابوبکر صدیق) کو حالت نزع میں دیکھ کر جب یہ شعر پڑھا: یعنی' زندگی کی قسم' نزع کی حالت میں دولت انسان کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ یہ سن کر خلیفتہ الرسول نے ناگواری کا اظہار فرمایا تھا"۔

مزید بتایا جاتا ہے کہ "ازواج مطہرات میں حضرت عثمان کی سب سے زیادہ مخالف حضرت عائشہ تھیں۔ اتنی مخالف کہ جب حضرت عثمان میز پر کھڑے عبداللہ بن مسعود کے خلاف حد سے بڑھ کر بول رہے تھے تو پردے کی آڑ سے چلانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ وہ

Marfat.com

حضرت عثمان غنیؓ کے بہت سے کاموں پر' ان کے گورنروں کے طرز عمل پر معترض ہونے سے کبھی نہ رکتی تھیں۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ خیال کرنے لگے کہ بغاوت پر آمادہ کرنے والوں میں ایک آپ بھی ہیں"۔

لیکن جب حالات نے پلٹا کھایا اور حضرت عثمان کو باغیوں نے شہید کر دیا تو اس کے بعد "جب حضرت عائشہ کو معلوم ہوا کہ مدینہ والوں نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی ہے تو غضبناک ہو کر مکہ واپس آئیں اور صحن خانہ میں فروکش ہو کر پردہ ڈال لیا۔ لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے جن سے آپ پردے کے اندر باتیں کرتیں"۔

"حضرت عثمان غنیؓ کے خون پر ناراض ہو کر فرماتیں: حضرت عثمان کی زبان اور کوڑے نے ہم کو برہم کر دیا اور ہم نے ان پر عتاب کیا۔ جس پر وہ نادم ہوئے اور معذرت چاہی۔ مسلمانوں نے ان کا عذر قبول کر لیا۔ اب اس کے بعد دیہاتیوں اور شورش پسندوں نے ان کے خلاف بغاوت کی' اور دھلے ہوئے کپڑے کی طرح ان کو نچوڑا۔ یہاں تک کہ مار ڈالا اور اس طرح ایک حرام خون کو حلال جانا۔ وہ بھی حج کے مہینے میں اور مدینہ جیسے مقام میں جس کی حرمت کا حکم ہے"۔

لیکن مسلمان ابھی اس صورت حال پر تاسف ہی کر رہے تھے اور ان میں اختلافات پیدا ہو رہے تھے' تو اس اختلاف پر بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بڑی بلاغت کے ساتھ ایک خطبہ دیا۔ شگفتہ زبان' دو ٹوک صاف انداز اور استدلال کی پوری قوت کے ساتھ انھوں نے فرمایا کہ: اے لوگو! "تمھاری خاطر ہم حضرت عثمان غنیؓ کے عصا اور کوڑے سے خفا ہوتے رہے تو کیا حضرت عثمان کی خاطر ہم تلوار پر طیش میں نہ آ جائیں۔ یاد رکھو! تمھارے خلیفہ مظلوم مارے گئے ہیں۔ ان کی بعض باتیں ہم نے پسند نہ کیں۔ اس پر ہم نے ان کہا سنا۔ پھر وہ باز آ گئے اور اللہ سے توبہ کی۔ اور ایک مسلمان سے اگر اس نے خطا کی ہے' اس سے اس سے زیادہ کیا مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کر لے اور لوگوں کو راضی۔ لیکن پھر بھی ان کے دشمنوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا' اور اس طرح تین حرمتوں کا بیک وقت خون کیا۔ خون کی حرمت کا' مہینے کی حرمت کا۔ اور مدینہ منورہ کی حرمت کا"۔

"حضرت عائشہ کی باتیں سن کر مکہ بغاوت کے جذبات سے بھڑک اٹھا تھا"۔

اخبارا لطوال میں لکھا ہے کہ "کہتے ہیں کہ جب حضرت زبیر اور حضرت طلحہ اور حضرت عائشہ نے حج کر لیا تو قتل عثمان کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ حضرت زبیر اور طلحہ نے کہا: اگر آپ متفق ہوں تو ہم خون عثمان کا دعویٰ کیے دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: آپ ان کے

Marfat.com

خون کا دعویٰ کس پر کریں گے؟۔ انھوں نے کہا وہ لوگ تو جانے پہچانے ہیں' علی کے خاص معتمد اور ان کے اصحاب کے سربراہ۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں تاکہ ہم اپنے حجازی ہمراہیوں کو لے کر بصرہ میں پہنچیں۔ جب اہل بصرہ آپ کو دیکھیں گے تو متحدہ و متفق ہو کر آپ کی اعانت پر اتر آئیں گے۔ آخر حضرت عائشہ ان کے ہمراہ جانے پر رضا مند ہو گئیں اور چل دیں۔ لوگ ان کے دائیں بائیں ہو لیے"۔

عین انھی دنوں ابو موسیٰ اشعری کوفے میں موجود تھے۔ وہ بھی اس طرح کی ساری صورت حال کو دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف حضرت عائشہ چل پڑی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی امیر معاویہ نے بھی قصاص عثمان کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اور پھر حضرت علیؓ بھی شام کی جانب بڑھنے لگے تھے۔ اس موقع پر ابو موسیٰ اشعری نے مسجد میں ایک خطبہ دیا اور کہا: اے لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو مشتبہ ہوتا ہے۔ لوٹتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے۔ مگر یہ انتشار خیز فتنہ نہ جانے کہاں سے آ رہا ہے۔ اور کون اسے لا رہا ہے۔ اپنی تلواریں نیام میں کر لو۔ نیزوں کی سنانیں نکال دو۔ کمانوں کی تانتیں توڑ دو۔ گھروں کے تنگ تر گوشوں میں لگ کے بیٹھ رہو۔ اے لوگو! فتنے کے عالم میں سونے والا بیدار سے بہتر ہے' کھڑا رہنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہے۔"

جنگ جمل۔ بہر صورت یہ فتنہ آ کر رہا۔ ادھر حضرت علیؓ کے مقابلے میں حضرت طلحہ اور زبیر نے اپنے لشکر کو منظم کیا۔ حضرت علیؓ تین روز تک ٹھہرے رہے اور اہل بصرہ کو اطاعت قبول کر کے جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن اس حوالے سے کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت علیؓ کے ہمراہ اس وقت قریباً دس ہزار افراد پر مشتمل لشکر تھا۔ حضرت علیؓ کی جانب سے مالک اشتر' عمار بن یاسر اور محمد بن حنفیہ فوج کی قیادت کر رہے تھے۔ دوسری طرف اہل بصرہ اپنے اپنے جھنڈوں تلے صف آرا تھے۔ اور حضرت عائشہ کا ہودہ لشکر کے آگے تھا۔ اسی اثناء میں حضرت زبیر نے حضرت علیؓ کا ایک پیغام سن کر جنگ سے علیحدہ رہنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن زبیر کو عمرو بن جرموز نے دھوکا دے کر جھوٹ بول کر نماز پڑھتے ہوئے قتل کر دیا تھا۔ اس قتل ناحق پر حضرت علیؓ نے تاسف اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

دونوں لشکر آمنے سامنے تھے۔ اس پر حضرت علیؓ نے اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کو حکم دیا کہ علم آگے بڑھاؤ۔ ادھر دوسری طرف عبداللہ بن زبیر نے بصرہ کی فوج کی قیادت سنبھال رکھی تھی۔ جب فرزند علی آگے بڑھے تو اہل بصرہ نے نیزوں اور تلواروں کے ساتھ استقبال کیا۔ چنانچہ وہ علم بدست رک گئے۔ "لہٰذا علم ان کے ہاتھ سے حضرت علیؓ نے لے لیا اور دیگر لوگوں کے ہمراہ ہلہ بول دیا۔ تھوڑی دیر بعد علم پھر اپنے بیٹے کو دے دیا' اب لوگ دھڑا دھڑ

Marfat.com

گرنے لگے۔ آتش حرب بھڑک اٹھی' جو لوگ (حضرت عائشہ کے) اونٹ کے اردگرد تھے وہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے"۔

بصرے کا عامل قضاء کعب بن سور بھی جنگ میں شامل تھا۔ انھیں جنگ میں شامل کرنے کے لیے حضرت عائشہ خود ان کے گھر پہنچ گئی تھیں۔ اس پر وہ پکار اٹھا تھا کہ "یہ بات مجھے پسند نہیں کہ ماں کا حکم ٹال دوں"۔ کعب بن سور بھی اس جنگ جمل میں کام آ گیا۔

ماں کے وفادار بیٹے – اہل بصرہ بڑی پامردی اور ثابت قدمی سے پروانہ وار لڑ رہے تھے۔ اس پر حضرت علیؓ نے کئی بار اپنے لشکر کے حوصلے بلند کیے۔ دوسری طرف سے بھی ہمت افزا نعرے بلند ہوتے رہے تھے۔ مسلمان مسلمان کے ساتھ برسر جدل تھا۔ بہادر اور سردار کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ اس سارے پس منظر میں کار زار حرب گرم تھا۔ اخبار لطوال میں یوں لکھا ہے کہ:

"اب تو گھمسان کا رن پڑا۔ (حضرت عائشہ کے) ہودے پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ یہاں تک وہ خار پشت کی طرح نظر آنے لگا۔ اونٹ لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور ہودے پر لوہے کے پترے منڈھے ہوئے تھے۔ فریقین نے ایک دوسرے کے مقابل بڑی پامردی کا مظاہرہ کیا۔ جسم دھڑا دھڑ گر رہے تھے۔ وہ غبار تھا کہ تاریکی چھا گئی۔ پرچم اور علم خون آلود ہو گئے"۔

اس موقع پر عمرو بن اشرف بصرہ کا ایک بہادر نوجوان بری جرات کے ساتھ لڑ بھی رہا تھا اور رجز کے یہ شعر پڑھتا تھا۔ ان کا ترجمہ یوں ہے کہ: "اے ہماری ماں ہم جانتے ہیں کہ تم بہترین ماں ہو۔ مگر ماں تو اپنے بیٹوں کو پالتی ہے اور ان پر مہربان رہتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتیں کہ کیسے کیسے جوان مرد گھائل ہو رہے ہیں اور کیسی کیسی کھوپڑیاں اور کلائیاں اڑ رہی ہیں"۔ اس بہادر بصری سوار نے متعدد لوگوں کو قتل کیا آخر اس کے مقابلے میں ایک کوفی حارث بن زہیر ازدی آیا۔ دونوں نے ایک دوسرے پر شدید وار کیے اور پھر دونوں گرے اور دونوں ہی ایڑیاں رگڑتے ہوئے چل بسے۔ لشکر علی کی جانب سے مالک اشتر بھی بہادری کے خوب جوہر دکھا رہا تھا۔ اس کا محاربہ عبداللہ بن زبیر سے ہوا۔ اس وقت دونوں بچ گئے۔

ناقہ عائشہ کی حفاظت– شاہ معین الدین احمد ندوی لکھتے ہیں کہ "ام المومنین زرہ پوش ہودج میں بیٹھی تھیں۔ نامرتبہ شناس سبائی آپ کے ساتھ گستاخیاں کر رہے تھے اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عائشہ کے وفادار بیٹوں میں بنو ضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پہ لاشیں گرا رہے تھے 'بکر بن وائل' ازد اور بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے کر اس جوش ثبات اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرار کو حیرت تھی۔ عبداللہ زبیر اونٹ کی

Marfat.com

نکیل پکڑے ہوئے تھے وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی۔ مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی۔ س طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا"۔

جنگ کی اس شدید کیفیت میں کہ جب دونوں طرف سے مسلمان ہی مارے جا رہے تھے اور دونوں جانب بڑی جرات اور شجاعت کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔ اس پس منظر میں حضرت علیؓ نے دیکھا کہ "جب تک یہ اونٹ ان لوگوں کے پیش نظر ہے یہ لڑتے چلے جائیں گے۔ اگر اس کی کونچیں کاٹ دی جائیں اور وہ گر پڑے تو پھر انھیں روکنے والی کوئی شے نہیں ہو گی"۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کے بعض جانباز ساتھیوں نے اونٹ پر ہلہ بول دیا۔ اس طرح اہل بصرہ اونٹ کے گرد سے چھٹ گئے۔ "ایک کوفی سردار ضبیعہ نامی اونٹ کے پاس جا پہنچا اور تلوار سے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ وہ بلبلاتا ہوا گر پڑا اور مردوں کے ڈھیر میں ڈوب گیا۔ ہودہ حضرت عائشہ سمیت زمین پر آ رہا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر سے کہا جاؤ ہمشیرہ کی خبر لو"۔

بحوالہ اخبارا لطوال بتایا جاتا ہے کہ "ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اپنی جمعیت میں یہ منادی کرادی: جو منہ موڑیں ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ مال نہ لوٹا جائے۔ جس نے ہتھیار ڈال دیئے اس کے لیے امان ہے۔ جس نے دروازہ بند کر لیا اس کے لیے بھی امان ہے"۔ مزید کسی کے استفسار کے جواب میں حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ "نہ موحدین کو غلام بنایا جا سکتا ہے اور نہ ان کا مال بطور غنیمت لیا جا سکتا ہے۔ سوا اس چیز کے جس کے ساتھ اور جس کی بدولت ان کی جنگ ہوئی ہو۔ لہٰذا تم جس چیز کو نہیں جانتے اسے جانے دو اور جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس پر کاربند رہو"۔

اہل بصرہ سے خطاب۔۔ اس جنگ جمل میں حضرت علیؓ اور ان کے لشکر کا پلہ بھاری رہا اور اس کے ساتھ ہی بصرہ پر حضرت علیؓ کا تسلط قائم ہو گیا۔ بصرہ پر قابض ہونے کے بعد امیر المومنین بڑی مسجد میں پہنچے۔ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے ممبر پر چڑھ کر خدا کی حمد و ثنا بیان کی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کہا اور فرمایا "امابعد! خدا کی رحمت وسیع ہے اور عقوبت دردناک۔ اے اہل بصرہ! میرے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے۔ اے عورت (حضرت عائشہ) کے سپاہیو اور جانور (اونٹ) کا اتباع کرنے والو۔ اونٹ بلبلایا اور تم لڑ پڑے، اس کی کونچیں کاٹی گئیں تم بھاگ نکلے۔ تمھاری سرزمین پانی کے قریب اور آسمان سے دور۔ خدا کی قسم عنقریب وہ دور آئے گا کہ یہ شہر سمندر میں ڈوب جائے گا۔ مساجد کے میناروں کے سوا جو صدر سفینہ کی طرح دکھائی دیں گے اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ جاؤ اپنے گھروں کو واپس

Marfat.com

چلے جاؤ"۔

حضرت عائشہ کی واپسی۔ ابتدائی ضروری انتظامات کے بعد بصرہ میں حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباس کو گورنر مقرر کیا۔ شاہ معین الدین احمد ندوی نے اپنی کتاب "خلفائے راشدین" میں لکھا ہے کہ اصل میں "حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ دونوں چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے اور کسی طرح باہمی اختلافات دور ہو جائیں"۔ لیکن دشمنوں کی سازشوں سے حضرت عائشہ صدیقہ کو خود اونٹ پر سوار ہو کر جنگ کی قیادت کرنا پڑی۔ اسی اونٹ کی نسبت سے اسے جمل کہا جاتا ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس دوران میں "پھر خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی"۔ بصرہ میں انھیں چند دن آرام اور سکون سے رہنے کی خاطر عبداللہ بن خلف خزاعی کی بیوی صفیہ کی میزبانی کے لیے ان کے گھر میں ٹھہرایا۔ اس کے ساتھ ساتھ محمد بن ابی بکر سے یہ بھی دریافت فرمایا کہ جنگ میں حضرت عائشہ کو کوئی چوٹ تو نہیں لگی۔ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ ان کی کلائی پر ایک تیر کی خراش ضرور ہے۔

اسکے بعد حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کی سرکردگی میں حضرت عائشہ صدیقہ کی مدینہ منورہ کی جانب روانگی کے خصوصی انتظامات کیے "بصرہ کی چالیس شریف و معزز خواتین کو پہنچانے کے لیے ساتھ کیا۔ اور رخصت کرنے کے لیے خود چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشایعت کے لیے بھیجا"۔ بعض حوالوں سے حضرت علیؓ نے حضرت عائشہ کی واپسی کے جو انتظامات کیے وہ اس سے بھی زیادہ موانست بھرے اور اطمینان بخش تھے۔ یہی نہیں حضرت علیؓ نے حضرت عائشہ کو محترم ترین خاتون بلکہ ام المومنین ہونے کے ناتے سے شایان شان اور عقیدت بھری تعظیم و توقیر دی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بھی وقت رخصت غلط فہمیوں کو دور کرنے اور کدورتوں کو ختم کرنے والے بیان میں اپنی جانب سے پوری وضاحت کر دی اور شکوک رفع کر دیے۔

شاہ معین الدین احمد ندوی نے اسی تناظر میں لکھا ہے کہ "حضرت عائشہ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا کہ میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ ورنہ مجھ میں اور علی میں کوئی جھگڑا نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں۔ ان کی تعظیم توقیر ضروری ہے۔

حضرت علیؓ خلیفۃ المسلمین بصرہ سے روانہ ہو کر کوفہ میں پہنچے۔ حضرت علیؓ نے کوفہ کے

Marfat.com

بارے میں فرمایا کہ "اس کی ہوا خوشگوار ہے اور یہاں کی خاک [illegible] ہے۔ ایک دن یہ شہر اسلام کا بہت بڑا مرکز ہوگا۔" اس کے بعد کوفے میں چند روز قیام کیا اور جمعے کا خطبہ بھی دیا۔ اپنے اس خطبے میں حضرت علیؓ نے فرمایا "اے بندگان خدا میں تمھیں تلقین کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ تلقین خدا کی خوشنودی کو قریب تر کر دیتی ہے۔ خدا کے عذاب سے لرزاں رہو۔ دنیا تمھیں فریب نہ دے کیونکہ وہ اپنے ساکنوں کو دھوکا دینے کی عادی ہے۔ ہم خدا ہی کے باعث ہیں اور خدا ہی کی خاطر"۔ جمعے سے فارغ ہو کر حضرت علیؓ نے مختلف صوبوں اور علاقوں کی جانب اپنے عامل بھی روانہ فرمائے۔

معاویہ سے خط و کتابت۔ ۳۶ ہجری کے ان واقعات کے بعد حالات میں مزید تبدیلی آتی گئی۔ ادھر امیر معاویہ کو جب حضرت عثمان غنیؓ کے قتل کی خبر سنائی گئی تو اس کے ساتھ ہی انہیں حضرت عثمانؓ کا وارث ہونے کے حوالے سے قصاص لینے پر اکسایا جانے لگا تھا۔ یہاں تک کہا جانے لگا تھا کہ اے امیر المومنین امیر معاویہ! "آپ کے پاس وہ لوگ ہیں کہ آپ چپ ہوں تو وہ بات نہیں کرتے۔ جب آپ بولیں تو وہ چپ رہتے ہیں۔ اور جب آپ حکم دیں تو وہ جرح نہیں کرتے۔ مگر دوسری طرف جو لوگ علی کے پاس ہیں ان کا عالم یہ ہے کہ جب علی بولیں تو وہ بھی بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جب علی چپ ہو جائیں تو وہ پوچھنا شروع کر دیتے ہیں۔ لہٰذا آپ کا قلیل ان کے کثیر سے بہتر ہے"۔

اسی اثناء میں حضرت علیؓ نے معاویہ کو ایک خط لکھا کہ "آپ پر اور جن کے آپ نمائندے ہیں' ان پر میری بیعت لازم ہے۔ آپ نے قاتلین عثمان کے بارے میں بہت واویلا مچایا ہے۔ پہلے آپ دوسروں کے ہمراہ داخل حلقہ اطاعت ہوں اور پھر قوم سے کہیں کہ مجھ سے محاکمہ کرے۔ میں آپ کو اور انھیں احکام قرآن اور سنت نبوی کی راہ پر ڈال دوں گا۔ رہی وہ بات جو آپ چاہ رہے ہیں تو یہ بچے کو دھوکا دے کر دودھ پینے سے روک دینے کے مترادف ہے"۔

اس کے جواب میں حضرت امیر معاویہ نے اپنے تمام حواریوں کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے حضرت علیؓ کی جانب خط لکھا کہ ——— "خلیفہ عثمان آپ کے جوار میں قتل ہوئے' یوں کہ آپ ان کے گھر میں بپا ہونے والے واویلا اور فریاد کو سن رہے تھے۔ مگر آپ نے ان کی مدافعت نہ قولاً کی نہ فعلاً۔ اگر آپ عثمان کے خون سے بری الذمہ ہونے کے مدعی ہیں تو قاتلین عثمان کو ہمارے سپرد کر دیں۔ ہم قتل عثمان کے بدلے میں ان کو قتل کر دیں گے اور فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر آپ اور آپ کے ساتھی یہاں

Marfat.com

تلوار کے سوا اور کسی شے کی توقع نہ رکھیں"۔

امیر معاویہ کا یہ خط ابو مسلم لے کر آیا تھا۔ اگلی صبح حضرت علی اور ابو مسلم مسجد میں بیٹھے تھے اور دیکھا کہ کوئی دس ہزار سے زائد اشخاص پوری طرح مسلح ہیں اور پکار رہے ہیں "ہم سب قاتلین عثمان ہیں"۔ اس پر ابو مسلم نے حضرت علیؓ سے کہا "میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں۔ ان پر آپ کا بس چل نہیں سکتا۔ میرا خیال ہے انھیں معلوم ہوگیا ہے کہ میں آپ کے پاس کس غرض سے آیا ہوں اور وہ یہ حرکت اس لیے کر رہے ہیں کہ آپ کہیں انھیں میرے حوالے نہ کر دیں"۔

بہر صورت حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کے خط کا جواب لکھا کہ میں قتل عثمان میں کہاں تک شامل ہوں۔ آپ کا جو جی چاہے کہتے رہیں اور میں قاتلین عثمان کو آپ کے سپرد نہیں کر سکتا۔ اور "میں جانتا ہوں کہ آپ کا یہ مطالبہ اس مقصد تک پہنچنے کا ایک راستہ ہو گا جو آپ کے پیش نظر ہے"۔

اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ایک مکتوب حضرت عمرو بن العاص کے نام بھی لکھا جس میں تحریر تھا کہ۔ "دنیا اپنی طرف متوجہ کر کے باقی ہر شے سے غافل کر دیتی ہے اور بندہ دنیا کی طلب میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔ لہٰذا معاویہ کے ساتھ اس کے باطل میں معاونت کر کے اپنے عمل کو تباہ و برباد مت کرو۔ معاویہ نے حق پس پشت ڈال دیا ہے اور باطل کو گلے لگا لیا ہے"۔

اسی طرح اہل شام کی جانب کوچ کرنے سے پہلے حضرت علی نے اپنے جمعے کے خطبے میں اس حوالے سے فرمایا کہ "اے لوگو! کوچ کرو دشمنان سنن اور دشمنان قرآن کی جانب۔ کوچ کرو قاتلین مہاجرین و انصار کی طرف۔ کوچ کرو ان جفا پیشہ بزدلوں کی طرف جنھوں نے ڈاکے مارے اور بادل نخواستہ اسلام قبول کیا تھا۔ کوچ کرو ان لوگوں کی طرف جن کو غنیمت میں تالیف قلب کے لیے حصہ ملتا تھا۔ کوچ کرو تاکہ لوگوں کو خوف سے بچا لو"۔

جنگ صفین۔ دریں اثناء معاویہ نے بھی اپنے سواروں کے ہمراہ صفین کی جانب پیش قدمی شروع کردی تھی۔ صفین ایک ویران علاقہ تھا اور یہاں سے فرات کا کنارہ بہت قریب تھا۔ یہاں پر امیر معاویہ نے دس ہزار شامی سواروں کو جمع کر دیا تھا تاکہ وہ عراقیوں کو فرات پر جانے سے روک سکیں۔ صفین میں ہی حضرت علیؓ کے لشکر نے آکر ڈیرے ڈال لیے تھے۔ لیکن جب وہ فرات پانی لینے گئے تو انھیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بتایا جاتا ہے کہ اسی اثناء میں لوگوں نے حضرت امیر معاویہ سے پانی کی بندش کھولنے کی تجویز دی لیکن وہ نہ مانے۔ اس پر

Marfat.com

- مالک اشتر نے اپنے لشکر کے ہمراہ بہادری کے خوب جوہر دکھائے [redacted]
- لیکن ان کے باوجود اب حضرت علیؓ نے حکم صادر کیا کہ شامیوں کو [redacted]

جائے۔ چنانچہ سبھی مل کر پانی پینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی باہم ملاقاتیں بھی ہونے لگیں۔ ایک دوسرے کے عساکر میں آنا جانا شروع ہو گیا۔ یوں ہر ایک کو یہی توقع تھی کہ مصالحت ہو جائے گی۔

اس کے بعد فریقین میں تقریباً دو مہینے تک باہم خط و کتابت ہوتی رہی۔ لیکن اس دوران میں ایک دوسرے کی جانب پیش قدمی اور جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔ گویا اس طرح کوئی پچاسی بار چھیڑ چھاڑ ہوئی لیکن نیک دل اور نکوکاروں کے باعث معاملہ رفع دفع ہی ہو جاتا رہا۔ پھر مزید خط و کتابت کے بعد دونوں جانب از سرنو عسکری صف بندی ہوئی اور ایک دوسرے کی جانب پیش قدمی ہونے لگی۔ لیکن "لڑائی ظہور میں نہ آئی۔ انھیں یہ بات پسند نہ تھی کہ دونوں عساکر پورے کے پورے باہم ٹکرا کر تباہ ہو جائیں' لہٰذا ہوتا یہ کہ ایک لشکر سے ایک ٹکڑی نکلتی اور دوسرے لشکر کی ایک ٹکڑی کے خلاف دونوں عساکر کے درمیان بر سرپیکار رہتی۔ اسی عالم میں ماہ رجب آ گیا اور فریقین نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا"۔ کیونکہ رجب کا مہینہ عربوں میں حرمت والے مہینوں میں شمار ہوتا تھا۔

بتایا جاتا ہے کہ اس وقت حضرت علیؓ کے ساتھ لشکر کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ اس لیے جب امیر معاویہ کی جانب سے قاتلین عثمان کے بارے میں کوئی مطالبہ اٹھتا تو یہ سب لوگ نعرہ لگاتے کہ ہم سب عثمان کے قاتل ہیں۔ اس موقع پر بھی دونوں جانب سے باہمی طور پر مفاہمت کی کوششیں ہوتی رہیں لیکن اسی اثناء میں ۳۸ھ ہجری کا محرم کا مہینہ بھی بیت گیا۔ دونوں عساکر نے ایک بار پھر اپنے اپنے دستے مرتب کرنے شروع کر دیئے۔ دونوں جانب سے مختلف رسالوں کی قیادت متعلقہ لوگوں کو سونپی گئی۔ بتایا جاتا ہے کہ اس وقت دونوں فریق سات سات صفوں میں بٹ گئے تھے اور دونوں میں سے ہر ایک اپنے مد مقابل سے ناواقف تھا۔ بہر حال وہ ایک دوسرے پر جھپٹنے لگے۔ مسلمان سے مسلمان لڑنے لگا۔ بھائی سے بھائی اور والد سے بیٹے کا ٹکراؤ ہو گیا۔ ہر روز صبح سے شام تک یہ ہوتا رہتا۔

عمرو سے مقابلہ۔ پھر اسی جنگ میں ایک صبح امیر معاویہ کے حامی حضرت عمرو بن العاص نے میدان کارزار میں آ کر کہا "اے ابوالحسن آؤ میرے سامنے میں عمرو بن العاص ہوں۔ یہ سن کر حضرت علیؓ ان کے مقابلے میں نکل آئے۔ دونوں نے ایک دوسرے پر نیزوں سے وار کیے مگر کسی سے کچھ نہ بن پڑا۔ آخر حضرت علیؓ اپنی تلوار سونت کر حملہ آور ہوئے' قریب تھا کہ

Marfat.com

عمرو کو اڑا دیتے"۔ لیکن "عمرو بن العاص بدحواسی کے ساتھ گھوڑے سے گرے کہ بالکل برہنہ ہو گئے"۔ فاتح خیبر نے منہ پھیر لیا اور عمرو کو چھوڑ کر ایک طرف ہو گئے۔

بتایا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت علی کے مقابلے میں آنے سے پہلے امیر معاویہ سے کہا تھا کہ وہ ان کے مقابلے میں نکلے۔ پھر اسی اثناء میں حضرت علی نے بھی امیر معاویہ کے پاس ایک پیغام بھجوایا تھا کہ "ہم باہمی جھگڑے کے باعث لوگوں کو کیوں لڑا رہے ہیں۔ آؤ مجھ سے دو دو ہاتھ کر لے جو اپنے مدمقابل کو ہلاک کر دے گا وہ خلیفہ بن جائے گا"۔ اس پر امیر معاویہ نے عمرو بن العاص سے کہا "کیا رائے ہے"۔ عمرو نے جواب دیا۔ "علی نے آپ سے کھری بات کہی ہے' ان کا مقابلہ کیجئے" معاویہ بولے "کیا مجھے میرے نفس کے بارے میں دھوکا دیتے ہو۔ مبارزت شاہوں کا کام نہیں۔ باز کی طرح جھپٹنا مبارز کا کام ہے"۔

یوں کئی دن تک جھڑپیں ہوتی رہیں۔ مسلمان دونوں طرف سے مرتے رہے۔ دونوں جانب سے مقابلہ جاری رہا۔ خطاب ہوتے رہے۔ فیصلہ کن مرحلے کے دونوں متمنی رہے۔ اسی دوران میں شامیوں کے بڑے بڑے سردار بھی قتل ہوتے گئے۔ اس وقت حضرت علیؓ نے اعلان کر دیا کہ اب وہ ساری جمعیت کے ساتھ اہل شام کے مقابلے میں نکلیں گے۔ ادھر معاویہ نے بھی اہل شام سے خطاب کیا کہ 'اے لوگو استقلال کو شعار بناؤ اور پامردی سے مقابلہ کرو۔ تم لوگ حق پر ہو۔ تمہارے پاس محکم دلیل ہے۔

"اگلی صبح میدان جنگ گرم ہوا۔ ایک دوسرے پر ہلہ بول دیا گیا۔ دونوں جانب سے بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ جنگ ہوئی"۔ وہ رن پڑا کہ نیزے ٹوٹ گئے۔ تلواریں کٹ گئیں۔ اور آخر وہ ایک دوسرے کو دانتوں سے کاٹنے لگے اور مٹی کی مٹھیاں بھر بھر کر مارنے لگے۔ خود حضرت علیؓ کا حال یہ تھا کہ دشمنوں کی صفوں میں دور تک گھس کر تلوار کے وار کرتے چلے جاتے تا آنکہ وہ دوہری ہو جاتی۔ جب تلوار سیدھی کر دی جاتی تو وہ پھر واپس آتے اور دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے۔ پھر جانب سے آوازیں بلند ہوئیں "اے برادران عرب! عورتوں اور بچوں کا کون والی ہو گا۔ خدا کے لیے مقدس ذمے داریوں کا خیال کرو"۔ لیکن اس کے باوجود جنگ کا یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ شیر سے شیر لڑتا رہا۔

اس کے بعد ایک بار پھر امیر معاویہ اور حضرت علی کے مابین خط و کتابت ہوئی۔ امیر معاویہ نے بار بار یاد دلایا کہ ہم دونوں بنو عبد مناف سے تعلق رکھتے ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ اس پر حضرت علی نے فرمایا کہ نہ امیہ ہاشم کا ہم سر ہے۔ نہ حرب عبدالمطلب کا اور نہ ابوسفیان ابوطالب کا اگرچہ ہم دونوں بنو عبد مناف میں سے ہیں۔ اور پھر ہمارے ہاتھ میں نبوت

Marfat.com

کی فضیلت ہے جس کی مدد سے ہم قوی اور معزز کو تہہ تیغ کر دیا جس کے باعث بے کس و بے بس ہمارے حلقہ بگوش بن گئے۔

اگلے روز دونوں فریق پھر اپنے اپنے جھنڈوں تلے کھڑے تھے۔ پھر گھمسان کا رن پڑا۔ اس دن اشتر نے بڑے جوہر دکھائے۔ لیکن اس روز بھی شامیوں نے حضرت علیؓ سے عراق واپس چلے جانے کی درخواست کی۔ اس وقت تک بجا طور پر شامی عساکر تھک چکا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس موقع پر لوگوں سے فرمایا "اے لوگو! تمھارے اور تمھارے دشمن کا معاملہ جس نقطے پر پہنچ گیا ہے۔ وہ تم پر روشن ہے۔ اب وہ آخری دموں پر ہیں۔ اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ تاکہ خدا ہمارے اور ان کے مابین فیصلہ کر دے۔ وہی بہترین حکم ہے"۔ اسی امر کی جب امیر معاویہ کو خبر ہوئی تو اس نے عمرو بن العاص سے مشورہ طلب کیا تو عمرو نے جواب دیا "آپ ان لوگوں کو دعوت دیں کہ کتاب الٰہی کو حکم بنا لیا جائے اور وہی ہمارے اور آپ کے مابین فیصلہ کرے۔ اس حیلے سے آپ اپنا مقصد پالیں گے"۔

قرآن پر مصالحت۔ "اس کے بعد اگلی صبح تک امیر معاویہ نے دیگر سرداروں کے ساتھ صلاح مشورے کے بعد اعلان کیا کہ اے لوگو! نیزوں کی سنانوں کے ساتھ قرآن باندھ لو"۔ کہتے ہیں کہ تعمیلاً" سنانوں کے ساتھ قرآن باندھ دیئے گئے۔ سب سے پہلا قرآن دمشق کا "مصحف اعظم" تھا جو پانچ نیزوں سے باندھا گیا اور پانچ آدمیوں نے اٹھایا۔ پھر باقی قرآن بھی جس قدر ان کے پاس تھے باندھ دیئے گئے۔ پھر اس کے بعد کئی سرداروں نے مخالف لشکر کو دیکھ کر بیک زبان پکار کی "اے برادران عرب! خدا سے ڈرو۔ خدا کے لیے اپنی عورتوں اور بچوں کو اہل فارس اور روم سے بچاؤ' جو کل کلاں چڑھ دوڑیں گے۔ دیکھو! تم تو برباد ہو کر رہ گئے ہو۔ یہ کتاب الٰہی ہمارے تمھارے درمیان یہ فیصلہ کرے گی"۔

اس پر حضرت علی نے کہا "تمھارا مقصود کتاب نہیں، تم تو چال چل رہے ہو"۔ اس کے ساتھ ہی اہل عراق میں سے کردوس بن ہانی البکری نے اٹھ کر کہا "اے اہل عراق ان مصاحف کو دیکھ کر ڈھیلے نہ پڑ جانا۔ یہ محض فریب ہے"۔ لیکن اس دوران میں مالک اشتر شامیوں پر خوب برس رہا تھا۔ بہر صورت حضرت علی نے اپنے متعدد ساتھیوں کے مشورے کے بعد قرآن مجید کی تحکیم کو مان لیا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت امیر معاویہ نے حضرت علی کے نام ایک رقعہ لکھا کہ: "اس قتل و خون کے ضمن میں سب سے اول محاسبہ میرا اور آپ کا ہو گا۔ لہٰذا میں آپ کو اس خون ریزی سے دستکش ہونے اور دینی اتحاد و ترک عدوات کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ نیز اس امر کی جانب بھی دعوت دیتا ہوں کہ میرے اور آپ کے مابین دو حکم

Marfat.com

ثالثی کریں۔ ان کا فیصلہ قرآن کے صریح اور واضح احکام کے مطابق ہو"۔

اسی طرح عمرو بن العاص نے بھی حضرت علی کو ایک مکتوب کے جواب میں لکھا کہ "بے شک جس میں ہم سب کی بہتری اور اتحاد مضمر ہے وہ راستی کی جانب لوٹ جانا ہے۔ ہم نے قرآن کو اپنے اور آپ کے درمیان حکم بنا دیا ہے"۔ اور پھر مزید لکھا کہ "اے ابوالحسن ہم آپ کو وہی حق دیں گے جو قرآن دے گا"۔

بہر صورت اسی طرح کی خط و کتابت' زبانی بات چیت اور نیک دل لوگوں کے مشوروں سے اہل شام اور اہل عراق ایک مقام پر جمع ہو گئے۔ قرآن ان کے پاس تھے۔ اس لیے وہ باہم قرآنی احکام کی تلقین کے بعد اس امر پر متفق ہو گئے کہ دو حکم مقرر کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد وہ سب اپنی فوج کی جانب لوٹ کر چلے گئے۔

وثیقہ تحکیم۔ پھر حکم مقرر کرنے کے حوالے سے اہل شام نے عمرو بن العاص کو اپنی جانب سے حکم اور حضرت علی کی جانب سے نیم دلی کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری کو نمائندہ مقرر کیا گیا کہ وہ دونوں قرآن کے مطابق اپنا فیصلہ کر کے اس صادر کریں۔

دونوں طرف کے نمائندوں نے ایک مرکزی مقام پر ملاقاتیں کر کے ایک وثیقہ تحکیم تیار کیا یہ وثیقہ تحکیم حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی کے شخصی ناموں کے تحت لکھا گیا۔ اس میں یہ بھی کہا گیا کہ حضرت علی کا فیصلہ حاضر و غائب عراقیوں کے لیے اور حضرت معاویہ کا حاضر و غائب شامیوں کے لیے واجب الاذعان ہو گا۔ یہ بھی طے پایا کہ دونوں حکم قرآن ہی کو پیش نظر رکھیں' اس سے ہٹ کر کسی اور چیز کا سہارا نہ لیا جائے۔ جو چیز قرآن میں نہ پائیں اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جامعہ کی روشنی میں حل کریں۔

ان ابتدائی سطور کے بعد "اب فریقین کا باہمی جھگڑا مباحثہ' مجادلہ اور لڑائی ختم ہو گئی۔ اب یہ جھگڑا اسی طرح ختم ہو گا جس طرح ہم نے تحریر میں بیان کر دیا ہے کہ اس اس طرح دونوں امیر' دونوں حکم اور دونوں فریق اس اس امر کے پابند ہیں۔ خدا ہی قریب ترین گواہ ہے۔ بہر حال لوگ اپنی جانوں' کنبوں اور اولادوں کے معاملے میں مدت معینہ کے انقضا تک مامون ہوں گے۔ ہتھیار رکھ دیئے جائیں گے۔ راستے محفوظ ہوں گے۔ فریقین سے تعلق رکھنے والے غیر حاضر افراد اس معاملے میں حاضرین کے مساوی ہوں گے۔ یہ تحریر سترہ ماہ صفر ۳۷ ہجری کو گواہوں کے دستخطوں کی موجودگی میں عمل میں لائی گئی۔ اس کے بعد حضرت علی کوفہ چلے گئے اور امیر معاویہ دمشق واپس پہنچ گیا"۔

کئی باہمی ملاقاتوں اور گفت و شنید کے بعد دونوں حکم اس نتیجے پر پہنچے کہ "ہمارے نزدیک

Marfat.com

ن سے زیادہ کارگر اور کوئی تدبیر نہیں کہ ہم ان دونوں آدمیوں کو یعنی علی اور معاویہ کو ہٹا دیں اور خلافت کے معاملے کو شوریٰ کے سپرد کر دیں تاکہ لوگ خلافت کے لیے جسے موزوں جانیں اسے چن لیں"۔

بتایا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی ابو موسیٰ اشعری جو حضرت علی کی جانب سے حکم تھے انھوں نے اعلان کیا کہ "لہٰذا میں علی اور معاویہ دونوں کو برطرف کرتا ہوں۔ تم لوگ اپنے معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لو اور جسے چاہو اپنا امیر بنا لو"۔

اس اعلان کے بعد حضرت امیر معاویہ کے حکم عمرو بن العاص نے بھی اپنا اعلان کیا اور کہا "ان صاحب نے جو کچھ کہا آپ نے سن لیا' انھوں نے اپنے آدمی کو برطرف کر دیا ہے۔ ٹھیک ہے میں بھی اسے اسی طرح برطرف کرتا ہوں جس طرح ان صاحب نے کیا ہے۔ مگر میں اپنے آدمی کو برقرار رکھتا ہوں' اس لیے کہ وہ امیرالمومنین عثمان کا ولی ہے۔ ان کے خون کا دعویدار ہے اور ان کی جانشینی کا سب سے زیادہ حق دار ہے"۔

عمرو بن العاص کا یہ اعلان ایک انہونا اعلان تھا۔ یہ دونوں کے متفقہ فیصلے کے سراسر خلاف اعلان تھا۔ جسے حضرت ابو موسیٰ اشعری نے خیانت اور عہد شکنی قرار دیا۔ اور پھر دونوں حکموں میں تلخ کلامی ہوئی۔ بہر صورت حکموں کا یہ فیصلہ بھی غتربود ہو کر رہ گیا۔ اور نزاع اور معاملہ وہیں کا وہیں رہ گیا۔ گویا یہاں پر بھی تاریخ نے شدید گھپلا کیا۔

فتنہ خوارج۔ جنگ صفین میں جب دونوں فریقین کے مابین مصالحت اور صلح کی بات چیت ہو رہی تھی تو اس وقت ایک گروہ مسلمانوں میں سے ایسا بھی پیدا ہو گیا تھا جو ان دونوں حضرات کو چھوڑ کر الگ ہو گیا تھا۔ اسے خوارج یعنی علیحدہ ہو جانے والے یا خارج میں چلے جانے والے کہا جانے لگا۔ ان لوگوں نے نہروان کے مقام پر اپنا اجتماع کر لیا تھا۔ ان خارجی لوگوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ حکم صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں خوارج کے ایک سربراہ عبداللہ بن وہب نے یہ بھی اعلان کر دیا تھا کہ "اے جمعیت برادران! متاع دنیا قلیل ہے اور اس سے جدائی کی گھڑی قریب ہے۔ آؤ ہمارے ساتھ کہ ہم اس تحکیم کے خلاف اظہار ناپسندیدگی کے طور پر علم بغاوت بلند کریں' کیونکہ حکم فقط خدا کا ہے۔ بے شک خدا انھی لوگوں کا ساتھی ہے جو متقی اور نیکوکار ہیں"۔

اس کے ساتھ ہی ان خوارج نے یزید بن حصین کہ جو خوارج کے عبادت گزار بزرگوں میں سے تھا اسے خلافت پیش کر دی گئی۔ خوارج نے جلد ہی اس کی بیعت بھی کر لی تھی۔ اس کے بعد خوارج کے خلیفہ نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کیا۔ اس خطاب میں حمد و ثنائے الٰہی

Marfat.com

بیان کی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ و درود بھیجا اور کہا: "خدا نے ہم سے عہد و پیان لیا تھا کہ ہم نیکی کا حکم دیں گے۔ بدی سے روکیں گے۔ سچ کہیں گے اور اس کی راہ میں جہاد کریں گے"۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ چونکہ ہمارے ہم دین نے ہوائے نفس کی پیروی کی ہے۔ حکم قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے اور فیصلے یعنی تحکیم میں راہ عدل سے عدول کیا ہے اس لیے ان کے خلاف جہاد برحق ہے۔

خوارج کے ساتھ خط و کتابت۔ خوارج کا یہ رویہ تھا کہ وہ ایک جانب تو حضرت علیؓ کے دعوئ خلافت کو باطل سمجھنے لگے تھے اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے مسلک کی بھی مذمت کرنا شروع کر دی تھی' اور پھر ان کے خون کا انتقام لینے سے بھی اپنی بریت کا اظہار کر دیا تھا۔ اور پھر جو شخص ان کے نظریات سے اختلافات کرتا اسے کافر اور دین سے خارج قرار دینے لگے۔ اس طرح اب تک انھوں نے اپنے سخت رویے کے باعث غارت گری اور قتل کی وارداتوں کا بھی آغاز کر دیا تھا۔ دوسری طرف چونکہ ان خارجی مسلمانوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ برحق تسلیم نہیں کیا تھا' اس لیے انھیں بے ایمان' بے دین اور ایمان سے نکلے ہوئے بھی سمجھا جانے لگا تھا۔

خوارج کی کارروائیوں اور ان کی بغاوت پر بصرے کے گورنر عبداللہ بن عباس نے نظر رکھی ہوئی تھی۔ لہٰذا اس نے ابوالاسود کو ایک ہزار سوار دے کر ان کے تعاقب میں روانہ کر دیا تھا۔ پھر اسی اثناء میں خوارج کی یہ جماعت دریائے دجلہ کو عبور کر کے نہروان میں جا کر وارد ہو گئی تھی۔ یہاں پر حضرت علی نے انھیں ایک خط لکھا۔ یہ خط یزید بن حصین اور ان کے رفقا کے نام تحریر کیا گیا تھا کہ "بے شک جن دو آدمیوں کو ہم نے حکم کے طور پر چنا تھا انھوں نے کتاب الٰہی کی خلاف ورزی کی اور اپنی ہوس کی راہ پر گامزن ہوئے' اور احکام قرآن کے موافق فیصلہ نہ دیا تو ہم نے ان کے فیصلے سے بریت کا اظہار کر دیا۔ لہٰذا اب ہم نے پھر اپنا سابق موقف اختیار کر لیا ہے۔ اس امر کے پیش نظر تم میرے پاس چلے آؤ۔ خدا تم پر رحم کرے۔ ہم لوگ اپنے اور آپ کے دشمن کی جانب کوچ کر رہے ہیں' اس کے خلاف از سرنو جنگ شروع کر دیں گے تا آنکہ خدا ہمارے اور ان کے مابین فیصلہ کر دے' وہی بہترین حکم ہے"۔

حضرت علی کی جانب سے اس خط اور پیغام کے جواب میں خوارج نے تحریر کیا کہ "امابعد! آپ کا یہ پیچ و تاب خدا کی خاطر نہیں ہے' صرف اپنی ذات کے لیے ہے۔ اگر آپ توبہ کریں اور ایمان لائیں تو پھر ہم آپ کی اس خواہش پر غور کریں گے۔ خدا خیانت کاروں کے حیلوں کو راہ راست پر نہیں لگاتا"۔

Marfat.com

خوارج سے جنگ۔ اس خط سے مایوس ہو کر حضرت علی نے ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اسی اثناء میں حضرت علی نے دوبارہ شام کی جانب جانے کا ارادہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے بصرے کے گورنر حضرت عبداللہ بن عباس کو بھی خط لکھا کہ اپنا لشکر لے کر چڑھائی کے لیے پہنچ جاؤ۔ لیکن عین اسی دوران میں خوارج کے بارے میں تشویش ناک خبریں آنے لگی تھیں۔ اس کے بعد ایک بار پھر حضرت علی نے خوارج سے خط و کتابت کی۔ صفین میں حکموں کے بارے میں بہت بحث ہوئی۔ اور پھر جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو جنگ کی صورت پیدا ہو گئی۔ خوارج اور حضرت علی کی فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔

اس موقع پر حضرت علیؓ نے اپنے لشکر کو پہل کرنے سے روکے رکھا لیکن خوارج نے پورے اتحاد اور قوت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ یہ بڑا شدید حملہ تھا۔ پہلے تو حضرت علی کے سواروں کے قدم اکھڑ گئے اور پھر خوارج کا گروہ بھی دو حصوں میں بٹ گیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی اور خوارج کے غالباً سارے کے سارے لشکر کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے حکم دیا تھا کہ جن خوارج میں ابھی زندگی کی کوئی رمق باقی ہے انھیں ان کے اعزہ کے پاس پہنچا دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت علی نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو خدا نے آپ کو دین سے منحرف ہو جانے والوں پر فتح عطا کی ہے۔

اگرچہ خوارج کی بڑی تعداد کو تہہ تیغ کر دیا گیا لیکن کئی لوگ بچ گئے تھے۔ حضرت علی نے جنگ نہروان سے حاصل ہونے والے مال اسباب کو بھی بچے کھچے خوارج اور ان کے لواحقین کے سپرد کر دیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کے دو سال بعد تک بھی خوارج کی کارروائیاں جاری رہی تھیں۔ اور پھر امیر معاویہ کے بیس سالہ دور میں بھی وہ بڑے شورشی اور فعال رہے۔ پھر برسوں بعد یہ تحریک خوارج تو ختم ہو گئی لیکن اس کی حیثیت ایک مذہبی فرقے کی برقرار رہی۔

فرقہ خوارج کی کارروائیوں سے نمٹنے کے بعد حضرت علی نے ایک بار پھر شام کی جانب جانے کا ارادہ کیا لیکن صلاح کاروں نے اسلحہ کی تیاری اور تلواروں اور نیزوں کی مرمت کے لیے اپنے شہر واپس آنے کی اجازت طلب کی۔ اس طرح لوگ رفتہ رفتہ کوفہ آنے شروع ہو گئے۔ اسی دوران میں حضرت علی نے اپنے کوفی حامیوں کے نام ایک خط لکھا کہ "امابعد! بے شک جہاد جنت کا دروازہ ہے۔ جس نے جہاد ترک کر دیا خدا نے اس کو ذلت کی پوشاک پہنا دی اور اس پر پستی مسلط کر دی' اور ان پر ذلت و توہین مستولی کر دی"۔ اب تمھاری حالت یہ ہو گئی ہے کہ "تم دشمنوں کا ہدف بن کر رہ گئے ہو۔ فرمان خدا سے روگردانی ہو رہی ہے مگر تم خوش ہو رہے ہو۔ تم نے نافرمانی اور کنارہ کشی سے خود میری دانش کو میری ہی نظروں میں

Marfat.com

پراگندہ کر دیا ہے"۔ تم گرمی اور سردی سے ڈرنے لگے ہو بلکہ تم تو اب شمشیر سے جی چراتے ہو۔ جنگ کی سختیاں مجھ سے زیادہ کس نے جھیلی ہوں گی۔ "میں نے اس وقت جنگ میں حصہ لینا شروع کیا تھا جب ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا۔ اور آج میری عمر ساٹھ سال کی ہو رہی ہے۔ بات یہ نہیں، بات یہ ہے کہ جس کا حکم نہ مانا جائے اس کی دانش کیا اور اس کی رائے کیا"۔

دیگر کارروائیاں۔ بہر صورت حضرت علی کے اس خط سے بھی لوگوں کے نقطہ نظر میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اس لیے اب حضرت علی نے سلطنت اسلامی کے دیگر امور کی جانب اپنی توجہ زیادہ مرتکز کر دی۔ مصر کے حالات کو بہتر بنانے پر توجہ دی کیونکہ مصری لوگوں کو بھی حضرت امیر معاویہ کے ساتھیوں نے حضرت علی سے برگشتہ کرنا شروع کر دیا تھا لیکن حضرت علیؓ کے کارندے عین بن ضبیعہ نے وہاں کے حالات پر قابو پا لیا تھا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں کرمان اور فارس میں بغاوتوں نے سر اٹھایا لیکن ان بغاوتوں کو زیاد بن ابیہ نے بزور شمشیر فرو کر لیا تھا۔

حضرت علیؓ کی شہادت۔ حضرت علیؓ ہر سال باقاعدگی سے حج بیت اللہ کرنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ ۴۰ ہجری میں جب آپ حج کرنے آئے تو اس موقع پر کئی ایک خارجیوں سے بھی آپ کا تعارف ہوا۔ خارجی لوگ تو پہلے ہی حضرت علیؓ کی خلافت کو برحق نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ حضرت علی کے در پے تھے۔ بعض خارجیوں نے جنگ نہروان ہی کے دوران میں حضرت علی کے خاتمے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ پھر حج کے موقع پر عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی، نزال بن عامر، اور عبداللہ بن مالک صیدی اکٹھے ہوئے تو انھوں نے باہم یہ مشورہ کیا کہ لڑائیوں کے باعث جو حال ہو رہا ہے وہ بڑا ہی عبرت ناک ہے "آرام اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک ان تینوں افراد یعنی علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص کو قتل نہ کر دیا جائے"۔

اس کے بعد تینوں نے کسی ایک روز مقررہ وقت پر حملہ کر کے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانا قبول کر لیا۔ گویا اس طرح ابن ملجم نے حضرت علی کو، نزال نے امیر معاویہ کو اور عبداللہ نے عمرو کو قتل کرنا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس منصوبے پر عمل کے لیے بن ملجم کوفے میں آ کر مقیم ہو گیا۔ اس قیام کے دوران کئی مورخوں نے اس کی ایک حسین و جمیل خاتون رباب سے شادی کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ رباب کے والد قطام خارجی نے مہر کی جو تین چار شرائط رکھیں ان میں حضرت علی کا قتل کرنا بھی شامل تھا۔

اسی اثناء میں عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی کے پاس آنا جانا بھی شروع کر دیا تھا۔

Marfat.com

ایک روز وہ بدبخت حضرت علی کے پاس آیا اور کہنے لگا ایک سواری تو دیں۔ تو آپ نے اس کو وہ سواری دے دی۔

بتایا جاتا ہے کہ حضرت علی کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ یہی شخص مجھے قتل کرے گا لیکن آپ اس کے خلاف کوئی کارروائی قبل از وقت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس پس منظر میں حضرت علیؓ نے ایک بار صرف اتنا فرمایا تھا کہ "میں تو اس کی زندگی چاہتا ہوں لیکن یہ میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور بے شک یہی میرا قاتل ہو گا"۔ حضرت علی نے ایک بار ابن ملجم سے خود مخاطب کر کے کہا تھا کہ "معلوم نہیں میرا قاتل کیوں دیر لگا رہا ہے۔ جب وہ اس ناپاک ارادے سے کوفے آ چکا ہے تو وہ کیا انتظار کر رہا ہے"۔ لیکن اصل میں وہ تو اس مقررہ تاریخ کا انتظار کر رہا تھا جس دن تینوں خارجیوں نے تین اہم قتل کرنے تھے۔

حضرت علی کو چونکہ کئی برسوں سے مرکز اسلام مدینہ اور مکہ سے دور رہنا پڑا تھا اور پھر انھیں ملکی امور کو سدھارنے کے لیے بھی مصروف رہنا پڑا' اس لیے انھوں نے اب اپنی سلطنت کا مرکز کوفہ کو بنا لیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت علی کوفہ ہی کی ایک بڑی مسجد میں وعظ نصیحت کیا کرتے اور فریضہ امامت بھی ادا کرتے تھے۔

رمضان المبارک ۴۰ ہجری کے پہلے دن ہی سے حضرت علی نے بڑے خلوص اور تقویٰ کے ساتھ روزے رکھنا شروع کر دیئے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ افطاری و سحری میں تین لقموں سے زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ اس سلسلے میں جب آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ اتنا کم کیوں کھاتے ہیں تو فرماتے کہ "مجھے یہ محبوب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے حضور جاؤں تو پیٹ خالی ہو"۔

پھر ۱۹۔ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو خارجیوں کے گروہ نے ایک ہی وقت پر حضرت علی' امیر معاویہ اور عمرو بن العاص پر حملہ کر دیا۔ اس حملے سے امیر معاویہ اور عمرو بن العاص اتفاقی طور پر بچ گئے۔ لیکن حضرت علی بن ابی طالب اس سازش کا شکار ہو گئے۔ ابن ملجم نے جامع مسجد کوفہ میں گھس کر سر مبارک اور کنپٹی پر زہر آلود تلوار کا حضرت علی پر وار کر دیا۔ اس وقت حضرت علی نماز فجر کی سنتیں ادا کر رہے تھے۔ دشمن کے مہلک وار سے حضرت علی خون میں نہا گئے۔ اس سانحہ پر لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی کو فوراً پکڑ لیا گیا۔ اور حضرت علی کو نماز کے بعد گھر لایا گیا۔ اس کے بعد حضرت علی نے چند آخری وصیتیں کیں اور اس کے دو دن بعد یعنی ۲۱۔ رمضان المبارک کو آپ رتبۂ شہادت سے فیض یاب ہو کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ شہادت کے وقت حضرت علی کی عمر تریسٹھ سال بموافق عمر نبوی ہی تھی۔ حضرت علی بن ابی طالب کو کوفہ سے سات میل کے فاصلہ پر مقام غزنین میں دفن کیا گیا۔

Marfat.com

بعد میں یہی مقام نجف اشرف کے نام سے مشہور ہو گیا۔

بتایا جاتا ہے کہ تدفین علی کے بعد لوگوں نے قاتل عبدالرحمٰن ابن ملجم خارجی کے ہاتھ پاؤں کاٹے اور ایک ٹوکری میں ڈال کر آگ لگا دی"۔

"کہتے ہیں کہ حضرت علی کی وفات کے بعد حضرت حسن بڑی مسجد میں جا بیٹھے۔ لوگ گرد جمع ہو گئے اور ان کی بیعت کر لی"۔ اس وقت حضرت حسن نے فرمایا کہ امیرالمومنین اس رات قتل ہوئے جس رات قرآن نازل ہوا تھا۔

Marfat.com

باب-۸

حضرت علیؓ کے فضائل

محاسن و محامد- حضرت علیؓ بن ابی طالب کے فضائل اور مناقب بے حساب ہیں- عبادات الٰہی سے انھیں گہرا شغف تھا- یہی وجہ ہے کہ وہ جب شہید ہوئے اس وقت بھی روزے سے تھے- ریاضت نفس، خضوع و خشوع اور عبادات خدا میں وہ بلند مقام پر فائز تھے- بعض اوقات وہ ساری ساری رات رکوع و سجود میں گزار دیتے تھے- بیان کیا جاتا ہے کہ وہ قالب اور قلب دونوں سے صلواۃ ادا کیا کرتے تھے-

خیرات کرنے میں کوئی آپ سے بڑھ کر نہیں تھا- جو میسر آتا سب اللہ کی راہ میں دے دیتے، آپ نے کبھی مال دنیا جمع نہیں کیا تھا- سادگی اور توکل کو شعار بنا رکھا تھا- اس لیے خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے خرچ کو اس قدر کم کر دیا ہے کہ میں امیر ہو گیا ہوں-

حضرت علی اپنے اخلاق حسنہ میں بھی سب سے افضل تھے- وہ دشمنوں پر اللہ کی راہ میں سخت تھے اور باہمی طور پر رحم دل اور حلیم تھے- یہ نہیں بلکہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں سے بھی بھلائی کرتے اور انھیں اپنے بہترین سلوک سے متاثر کرتے تھے- دشمنوں کے ساتھ ان کی عداوت ہرگز ذاتی نہیں ہوتی تھی- اس اعتبار سے وہ کبھی خواہش نفس کے غلام نہیں ہوئے تھے-

اللہ تعالیٰ نے انھیں صبرو تحمل کی فراوانی سے نواز رکھا تھا- وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی ہر طرح کے برے سے برے وقت میں گزاری ہے- میں نے غزوات نبوی میں بے شمار تکالیف جھیلی ہیں- لیکن میں ان سب پر خوش ہوں کیونکہ وہ اللہ کی راہ میں مجھ پر وارد ہوئیں-

سخاوت کا ایک واقعہ- حضرت علی انتہا درجے کے سخی اور فیاض تھے- آپ فرمایا کرتے تھے کہ سخی بنو مگر فضول خرچ نہیں- اور حساب کتاب رکھو، مگر سخت گیر بھی نہ ہو جاؤ"- مزید فرماتے کہ سب سے بڑی دولت مندی یہ ہے کہ امیدیں چھوٹ جائیں-

بتایا جاتا ہے کہ "ایک مرتبہ کسی سائل نے آپ سے روٹی کا سوال کیا، آپ نے اپنے

Marfat.com

غلام قنبر سے فرمایا اس کی حاجت پوری کرو۔ اس نے کہا حضور روٹی توشہ دان میں ہے۔ فرمایا مع توشہ دان دے دو۔ اس نے کہا توشہ دان اونٹ پر ہے۔ فرمایا اونٹ سمیت دے دو۔ اس نے کہا اونٹ قطار میں ہے فرمایا مع قطار دے دو۔ قنبر جلدی سے اٹھا اور مہار اونٹ کی مسائل کے ہاتھ میں دے دی"۔

زہد کی زینت۔ حضرت علی فرماتے کہ سب سے بڑا زہد' زہد کو چھپانا ہے۔ آپ دنیا کی آسائشوں کی طرف نظر بھی اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ شاہانہ زندگی سے دور رہتے۔ ان کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ علی کو اللہ تعالیٰ نے زہد کی زینت سے سرفراز کیا ہوا ہے۔

اسی طرح حضرت علی مہمان نوازی میں بھی بہت ممتاز مقام رکھتے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ "ایک دن بہت پریشان نظر آئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ آج سات روز ہو گئے ہیں کہ کوئی مہمان نہیں آیا"۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مہمان کا آنا اور اس کی خدمت کرنا خدا کی رحمت ہوتی ہے۔

بہادروں میں سب سے بہادر۔ حضرت علیؓ نے بیس سال کی عمر سے غزوات نبوی میں بھرپور حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اور پھر ہر جنگ میں ان کا کردار سب سے امتیازی اور بلند رہتا تھا۔ وہ دشمنان دین کو مولی گاجر کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینکا کرتے تھے۔ دشمنوں کے مقابلے میں وہ ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا لقب "اشجع الاشجعین" یعنی بہادروں میں سب سے بہادر کا تھا۔ غزوہ بدر کے حوالے سے حضرت محمد بن علی فرماتے ہیں کہ اس روز "ایک فرشتہ آسمان سے ندا کر رہا تھا اس فرشتہ کا نام رضوان تھا کہ ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں اور حضرت علی جیسا کوئی شجاع نہیں"۔

حضرت علی نے اپنے عہد خلافت کی جنگوں میں بھی دشمنان دین کے مقابلے میں اپنی بہادری کے بہت جوہر دکھائے۔ خوارج کے ساتھ جنگوں میں ان کی تلوار کئی بار ٹیڑھی ہو گئی تھی لیکن پھر سیدھی کر دی گئی۔ اور وہ بدستور دشمن پر وار کرتے رہے۔

حضرت علی بن ابی طالب بہترین منتظم اور ایک اچھے سربراہ مملکت تھے۔ انھیں اپنی رعایا سے بھی بھرپور محبت تھی۔ تکبر و غرور سے وہ پاک تھے۔ گھر کے لیے وہ خود اپنی کمر پر لکڑیاں لاد کر لایا کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ دوسروں کی خدمت کرنے کو بھی عبادت کا درجہ دیتے تھے۔ مسافر کی سواری اور زاد راہ کا اہتمام کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اپنے آرام سے دوسروں کے آرام کا زیادہ خیال کرتے تھے۔ "ایک مرتبہ ایک بڑھیا کو دیکھا جو مشکیزہ اٹھا کر لے جانا چاہتی

Marfat.com

تھی۔ مگر بڑھاپے کی وجہ سے اٹھا نہیں سکتی تھی تو آپ نے مشکیزہ اپنی پیٹھ پر لاد کر اس کے گھر پہنچا دیا"۔

جزیہ خراج۔ حضرت علی نے ایک بار بغداد کے قریب ایک علاقہ عکبری کا ایک شخص کو عامل بنا کر بھیجا تو اسے ہدایت کی کہ "دیکھو خراج وصول کرنے کے لیے نہ تو ان کا گدھا فروخت کرنا اور نہ گائے نہ بیل۔ نہ ان کی گرمی کی پوشاک بیچنا' نہ سردی کے کپڑے۔ ان سے نرمی برتنا اور حتی الامکان ان کی سہولت کو مدنظر رکھنا۔ اور ہاں! اگر میری نافرمانی کی تو میں تمھیں برخاست کروں گا"۔

"کتاب الاموال" میں لکھا ہے کہ "حضرت علی ہر کاریگر سے جزیہ لیا کرتے تھے۔ سوئی والے سے سوئیاں لیتے ۔ سان والے سے سان۔ رسی والے سے رسی۔ پھر قبائل کے سرداروں کو بلاتے انھیں سونا چاندی دے دیتے جسے وہ آپس میں تقسیم کر لیتے۔ پھر حضرت علی انھیں دوسرا جمع شدہ مال بھی دے دیتے اور فرماتے کہ یہ بھی تمھارے ہی حصے کا ہے' اسے بھی لینا تمھارا ہی حق ہے"۔

ہر شخص کی بستی۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ایک بڑا زمیندار مسلمان ہو گیا تو حضرت علی نے اس سے کہا "جہاں تک تمھاری ذات کا تعلق ہے اب تم پر کوئی جزیہ واجب الادا نہیں رہا۔ البتہ تمھاری زمین ہماری ہو گئی"۔ اسی طرح اور مقام پر انھوں نے فرمایا کہ "میرا ارادہ ہے کہ اس سواد عراق کی اراضی مسلمانوں میں تقسیم کر دوں تاکہ جب کوئی بستی میں جائے اور وہاں دن یا رات کا کھانا کھائے تو وہ کہہ سکے کہ یہ میری بستی ہے"۔اور حضرت علی مزید یہ بھی فرماتے کہ "اس سواد عراق سے میں بچتا ہی رہوں"۔

اصبغ بن نباتہ کہتے کہ "میں حضرت علی کے ساتھ بازار میں نکلا' تو انھوں نے دیکھا کہ منڈی والوں نے وہاں اپنی اپنی جگہیں مخصوص کر کے انھیں اپنی ملکیت بنا رکھا ہے۔ اس پر حضرت علی نے پوچھا "یہ کیا ہے"۔ لوگوں نے جواب دیا "بازار والوں نے اپنی اپنی جگہیں خاص کر کے اپنی اپنی ملکیت بنالی ہیں"۔ اس پر حضرت علی نے فرمایا۔ "ان لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ مسلمانوں کی منڈی مسجد کی طرح ہوتی ہے۔ اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو وہاں پہلے پہنچ کر کسی جگہ پر قبضہ کر لے وہ جگہ اس دن بھر کے لیے اس کی رہے گی تاآنکہ وہ خود اسے چھوڑ دے"۔

خبیث' خبیث کو کھاتا ہے۔ ربیعہ بن زکاء کہتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب نے

Marfat.com

زرارہ بستی پر نظر ڈال کر پوچھا "یہ کون سی بستی ہے؟" لوگوں نے جواب دیا "یہ بستی زرارہ کہلاتی ہے' اور یہاں اوباش لوگ جمع ہو جاتے تھے' اور شراب فروخت ہوتی ہے"۔ تو حضرت علیؓ نے کہا "اس کا راستہ کدھر سے ہے؟" لوگوں نے جواب دیا "پل کے دروازہ سے۔ ایک شخص نے کہا "امیرالمومنین ہم آپ کے لیے کشتی لے لیتے ہیں جس کے ذریعہ آپ دریا پار کر کے اس مقام تک پہنچ جائیں گے"۔ حضرت علی نے کہا "یہ تو بیگار ہو جائے گا' ہم بیگار نہیں لینا چاہتے۔ چلو ہمیں پل کے دروازے پر لے چلو۔ چنانچہ وہ چلتے ہوئے اس بستی میں پہنچے اور کہا: میرے پاس آگ لاؤ۔ اس بستی میں آگ لگا دو۔ اس لیے کہ خبیث (چیز کے اجزا آپس ہی میں) ایک دوسرے کو کھا لیتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ اس بستی کے سروں تک کو آگ لگ گئی"۔

حضرت علی کے دور خلافت میں نجران کے عیسائی باشندے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کہنے لگے۔ حضرت عمر نے ہمیں ہماری زمینوں سے باہر نکال دیا۔ اب آپ ہم پر احسان فرما کر پھر ہمیں واپس کر دیجیے۔ حضرت علی نے جواب دیا "حضرت عمرؓ صحیح اور حق فیصلے کرتے تھے۔ میں عمر کے کیے ہوئے کاموں میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا"۔

اسی طرح جب حضرت علی کوفہ میں آئے تو انھوں نے اعلان کیا کہ میں اس لیے نہیں آیا کہ حضرت عمر کے نافذ کردہ قوانین منسوخ کر دوں۔

ایک بار حضرت علی سے دریافت کیا گیا "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے خصوصی طور پر کوئی اپنا عہد و قرار کیا ہے جو جملہ لوگوں سے جداگانہ ہو۔ انھوں نے کہا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایسا کوئی عہد نہیں کیا جو تمام لوگوں سے نہ کیا ہو۔ پھر انھوں نے اپنی تلوار کے میان سے ایک صحیفہ نکالتے ہوئے کہا: البتہ میری اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ مستثنیٰ ہے۔ اس میں ہے۔ "مسلمانوں کے خون باہم دیگر مساوی اور ہم پلہ ہیں۔ اور مسلمانوں کی طرف سے ان کا معمولی فرد بھی ذمے داری اور ضمانت کا وعدہ کر سکتا ہے۔ اور تمام مسلمان اپنے مخالفین کے مقابلہ میں متحد قوت بن کر رہیں گے۔ کوئی مومن کسی کافر کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا' اور نہ عہد و پیمان کے بحال رہتے ہوئے کوئی معاہدہ قتل کیا جائے گا۔ جو کوئی غیر قانونی حرکت کرے گا یا کسی باغی کو پناہ دے گا تو اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو گی"۔

مراعات سب کے لیے۔ ایک شخص کسی خارجی کی شکایت لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے اسے آپ کو گالی دیتے سنا۔ تو انھوں نے اس سے کہا "جیسے اس نے مجھے گالی دی تو بھی اسے گالی دے دے"۔ اس شخص نے کہا اور وہ آپ کو دھمکی بھی دیتا ہے۔

Marfat.com

اس پر انھوں نے کہا "جس نے مجھے قتل نہیں' اسے میں قتل نہیں کروں گا"۔ بعد ازاں حضرت علی نے کہا ہمارے اوپر ان کے تین حقوق ہیں۔ انھیں مسجدوں میں ذکر اللہ کرنے سے نہ روکیں' اور جب تک یہ ہمارا ساتھ دیتے رہیں فئے سے انھیں محروم نہ کریں۔ اور تاوقتیکہ یہ ہم سے جنگ پر نہ اتر آئیں ان سے جنگ نہ کریں"۔

حضرت علیؓ نے خارجیوں کے علاقہ فئے کے عورتوں اور بچوں کے وظائف میں بھی کسی قسم کی کمی نہ کی بلکہ اپنے سے پہلے خلفائے راشدہ کی طرح وظائف پر عمل درآمد جاری رکھا۔ "قبیلہ خثعم کا ایک فرد روایت کرتا ہے کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تو میں حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور انھوں نے نومولود کا اندراج سو درہم والوں کی فہرست میں کرا دیا"۔

قناعت۔ حضرت علی قناعت اور کفایت شعاری میں بھی بے حد مثالی کردار و عمل کے مالک تھے۔ وہ بیت المال سے صرف اتنا کچھ لیتے کہ جس سے بمشکل زندگی بسر کر سکیں "ہارون بن عنترہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت علی کے پاس خورنق میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہ پرانی کملی میں سردی سے کپکپا رہے تھے۔ میں نے کہا' امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے اس بیت المال سے آپ کے اور آپ کے بال بچوں کے لیے ایک حصہ مقرر کر دیا ہے' پھر آپ اپنے اوپر یہ جبر کیوں کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: واللہ میں تمھیں کچھ تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ یہ بھی میری وہ کملی ہے جو میں اپنے گھر یا مدینہ سے لے کر چلا تھا۔ آپ فرمایا کرتے کہ "قناعت وہ مال ہے جو ختم نہیں ہوتا"۔

اپنے لیے حضرت علی بیت المال سے کم سے کم لیتے لیکن لوگوں میں ہمیشہ اس کے دروازے کھلے رکھتے۔ ایک دن انھوں نے بیت المال میں کچھ مال پڑا ہوا دیکھا تو اس وقت کہا "میں شام ہونے سے پہلے پہلے تیرے اندر ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑوں گا۔ اور پھر سارا مال حق داروں میں تقسیم کر دیا۔

کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ "حضرت علی نے ایک سال میں تین بار عطیے دیے۔ پھر اسی سال ان کے پاس اصفہان سے بھی مال آ گیا تو انھوں نے کہا لوگو! صبح چوتھے عطیہ کے لیے بھی آ جاؤ۔ مجھے یہ حق نہیں کہ تمھارا مال جمع کر کے رکھوں۔ چنانچہ انھوں نے رسیاں تک بانٹ دیں۔ جنھیں بعض لوگوں نے قبول کیا اور بعض نے واپس کر دیا"۔

اسی طرح مزید لکھا ہے کہ "عنترہ کہتے ہیں: میں نیروز یا مہرجان کے دن مقام رحبہ میں حضرت علی کے پاس پہنچا۔ اس وقت ان کی خدمت میں زمیندار اور ان کے سامنے تحائف

Marfat.com

موجود تھے۔ پھر وہاں قنبر آ گئے اور انھوں نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا "یا امیرالمومنین سخاوت کی وجہ سے آپ کے پاس دولت رہتی نہیں ہے۔ حالانکہ اس مال میں آپ کے اہل و عیال کا بھی حصہ ہے۔ میں نے آپ کے لیے کچھ مال چھپا کر رکھ لیا ہے"۔ انھوں نے کہا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا، چل کر ملاحظہ فرمالیجئے کہ وہ کیا ہے۔ چنانچہ میں انھیں ایک گھر میں لے گیا جس میں سونے اور چاندی چڑھی ہوئی چاندی کے برتنوں کی بھری ہوئی بوری تھی۔ یہ دیکھ کر انھوں نے کہا "تمھاری ماں تمھیں روئے، تم میرے گھر میں اتنی بڑی آگ لانا چاہتے تھے"۔ پھر انھوں نے اس کا وزن کرایا اور اسے قبائل میں تقسیم کرنے کے لیے قبائل کے سرداروں میں ان کے حصہ رسد کے حساب سے بانٹ دیا" ------اس کے بعد حضرت علی نے فرمایا "اے دولت دنیا! میں تیرے قریب نہیں آ سکتا۔ دوسروں کو فریب دے"۔

کسی نے ابو جعفر محمد بن علی سے دریافت کیا کہ "جب حضرت علی نے خلیفہ ہو کر لوگوں کے معاملات اپنے ہاتھ میں لیے تو انھوں نے رشتہ داروں کے حصہ کو کس طرح تقسیم کیا تھا۔ تو انھوں نے جواب دیا حضرت علی نے اس بارے میں حضرت ابوبکر و عمرؓ کی اقتدا کی تھی۔ واللہ انھیں یہ پسند نہیں تھا کہ ان پر حضرت ابوبکر و عمرؓ کے عمل کی مخالفت کا الزام لگ جائے"۔

حضرت علی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں منصب خلافت پر اس لیے نہیں آیا کہ "کوئی ایسی گرہ کھول دوں جسے حضرت عمر نے پختگی سے باندھا ہو"۔ اسی طرح آپ نے حضرت عبیدہ سے فرمایا کہ "تم لوگ پہلے کی طرح فیصلے کرتے رہو۔ کیونکہ مجھے اختلاف پسند نہیں ہے"۔

زکوٰۃ کے بارے میں۔ حضرت علی بن ابی طالب فقہی امور میں سب سے بڑی سند سمجھے جاتے تھے، اس لیے انھوں نے جزیہ، خمس اور زکوٰۃ کے حوالے سے بڑے دوٹوک واضح قسم کے فیصلے کیے۔ زکوٰۃ کے بارے میں وہ ایک خاص نقطہ نظر رکھتے تھے اور اس میں فلاح معاشرہ کا عنصر بھی شامل ہوتا تھا۔

بتایا جاتا ہے کہ ایک شخص حضرت علی کے پاس اپنے مال کی زکوٰۃ لایا تو انھوں نے پوچھا "کیا تم ہمارے عطیوں (وظائف) میں سے لے رہے ہو؟ اس نے کہا "نہیں"۔ تو اس پر حضرت علی نے فرمایا تب تم چلے جاؤ۔ ہم تم سے کچھ نہیں لیں گے۔ ہم تمھیں دوہری تکلیف نہیں دیں گے کہ ایک تو ہم تمھیں کوئی عطیہ نہ دیں اور دوسری زکوٰۃ تم سے لیں"۔

اسلام میں نظام زکوٰۃ کو جو اہمیت حاصل ہے، اس سے مسلم معاشرے کے تمام معاشی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ اس حوالے سے اسلامی اصول تو یہ ہے کہ امیروں پر فرض ہے کہ وہ اتنی زکوٰۃ نکالیں جو فقرا کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔

Marfat.com

کتاب الاموال کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ "حضرت علی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسودہ حال لوگوں کے اموال پر اتنی مقدار (زکوٰۃ) نکالنا فرض ہے جو فقرا اور محتاجوں کی ضرورت کے لیے کافی ہو۔ اب اگر یہ لوگ بھوکے یا ننگے رہتے ہیں یا پریشان و تنگ حال ہو جاتے ہیں' تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ امرا ان کا حق روک لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر حق ہو جاتا ہے کہ ان سے محاسبہ کرے اور انھیں عذاب دے"۔

زکوٰۃ کی وصولی کو حضرت علی رضاکارانہ بنیادوں پر استوار کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنے زکوٰۃ کے چند ایک تحصیل داروں کو حکم دیا تھا کہ زکوٰۃ کی وصولی لازمی ہے لیکن اس کے لیے سختی نہ کی جائے زکوٰۃ کی وصولی میں اعلیٰ اخلاق کے ساتھ تقوے کے قریب رہا جائے۔ خدا کے مقرر کیے ہوئے حق سے جبرا کچھ نہ لیا جائے۔ پھر زکوٰۃ کی تقسیم کے حوالے سے بتایا کہ' اس صدقے میں تمھارا حصہ مقرر اور حق معلوم ہے۔ مگر اس میں اور لوگ بھی تمھارے شریک ہیں۔ یہ کون ہیں؟ غریب' کمزور' فاقہ زدہ لوگ' فقیر' مسکین' سائل' محروم' مقروض اور مسافر وغیرہ۔ یاد رکھو! سب سے بڑی خیانت امت کی خیانت ہے۔

قوانین اسلام کے حوالے سے حضرت علی اپنے عہد خلافت سے بھی پہلے بڑے مستند اور معتبر تھے۔ اس طرح تینوں خلفائے راشدہ ان کی جانب ضرور رجوع کیا کرتے تھے۔ ازواجی زندگی کے مسائل اور میاں بیوی کے امور متنازعہ پر ان کی نظر بڑی گہری تھی۔ مجموعہ قوانین اسلام میں لکھا ہے کہ ایک بار "حضرت علی کے پاس ایک شخص آیا' اس نے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو ایک ہزار طلاقیں دیں۔ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں نے اس عورت کو تیرے اوپر حرام کر دیا اور باقی طلاقوں کو اپنی دوسروں بیویوں میں تقسیم کر"۔

پھر یہی نہیں حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ حالت سکران میں دی ہوئی طلاق بھی ہو جاتی ہے۔

میاں بیوی کے امور میں حضرت علی کا شرعی موقف معاشرتی اعتبار سے بھی قابل ستائش ہوتا تھا۔ طلاق اور نکاح کے بارے میں حضرت علی کا یہ قول بھی ہے کہ مفقود کی عورت آزمائش میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اس کو اس وقت تک صبر کرنا چاہیے جب تک شوہر کی موت یا طلاق کا پتہ نہ چل جائے۔ جب تک مفقود کی موت کا علم نہ ہو عورت کو دوسرا نکاح کرنے کا حق نہیں ہے"۔

تجمیع قرآن مجید۔ بتایا جاتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یہ فکر لاحق ہو گئی تھی کہ جلد از جلد قرآن مجید کو محفوظ کر لیا

Marfat.com

جائے۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت علی نے اس حوالے سے اسی وقت سے توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ بلکہ بعض حوالوں سے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر حضرت علی سے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت میں کچھ تاخیر ہوئی تو اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ تجمیع قرآن مجید میں مصروف تھے۔ یہاں تک بھی بتایا جاتا ہے کہ حضرت علی کا جمع کیا ہوا قرآن حکیم نزول آیات کے لحاظ سے تھا۔

اس حقیقت میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت علی کو قرآن مجید کی تفسیر اور اس کے علوم میں بے حد دلچسپی تھی۔ "اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے۔ حضرت علی اس سرچشمہ سے پوری سیراب اور ان صحابہ میں سے تھے کہ جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نہ صرف پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا بلکہ ایک ایک آیت کے معنی اور نزول شان سے واقف تھے۔ ایک بار اس ضمن میں حضرت علیؓ نے خود فرمایا تھا کہ "میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی"۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ایک سوال کے جواب میں حضرت علی نے فرمایا "قسم ہیں اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت اگاتا ہے اور جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے۔ قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں، لیکن قرآن کو سمجھنے کی قوت (فہم) اور یہ دولت خدا جس کو چاہے دے"۔

حضرت علی نے قرآن مجید کی عظمت و رفعت کے بارے میں کئی بار ذکر کیا ہے۔ اس طرح وہ اس مرکز کائنات قرآن مجید کے بے شمار فضائل اور رحمتوں کو بھی شمار کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ "یہ قرآن ایسا ناصح ہے جو کبھی خیانت کا مرتکب نہیں ہوا۔ ایسا رہنما ہے جو کبھی گمراہ نہیں کرتا۔ ایسا سخن گو ہے کہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ جو اس کا ہم نشین ہوا، اس کی ہدایت و رستگاری میں اضافہ ہوا۔ اور جان لو قرآن کو جاننے کے بعد کسی کے لیے کسی طرح کی محتاجی نہیں"۔

اپنے ایک وعظ میں حضرت علی نے فرمایا کہ "قرآن حکم بھی دیتا ہے، منع بھی کرتا ہے۔ خاموش بھی ہے گویا بھی۔ دنیا پر خدا کی محبت ہے، جس کے لیے اس نے عہد لے لیا اور ان کے دلوں کو (جواب کا) پابند بنا دیا ہے۔ اس (قرآن) کے نور کو تمام اور اس سے دین کو کامل بنایا۔ خدا نے اپنے نبی کو اس وقت اٹھایا جب وہ قرآن کے ذریعہ ہدایت کے احکام (بیان کر کے) فارغ ہو گئے"۔ پس اے لوگو! "قرآن کی رسی مضبوط پکڑو۔ قرآن سے نصیحت حاصل کرو"۔

Marfat.com

قرآن مجید کی وسعت و رفعت اس کے معانی و مطالب کی جہتوں اور اس کے اندر پنہاں علوم و معارف کے حوالے سے حضرت علی نے ایک موقع پر فرمایا کہ "قرآن کو لے کر بحث نہ کرنا کیونکہ قرآن بہت سے معنی کا متحمل ہے۔ بہت سی وجہیں رکھتا ہے"۔ اس پس منظر میں ایک اور مقام پر فرمایا کہ "قرآن تمہارے اگلوں کی خبریں، پچھلوں کی باتیں اور تمہارے درمیانی احکام ہیں"۔

علم حدیث۔ حضرت علی المرتضیٰ نے بچپن سے لے کر وفات نبوی تک کامل بتیس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و رفاقت میں بسر کیے۔ اس لیے ارشادات نبوی کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے۔

حدیثوں کے بارے میں حضرت علی کا ایک خاص نقطہ نظر اور ربط فکری تھا۔ اس حوالے سے ایک سوال کے جواب میں انھوں نے واضح طور پر فرمایا کہ "جو حدیثیں لوگوں کے درمیان شائع ہیں، ان میں حق و باطل، راست اور دروغ، عام و خاص، محکم و متشابہ، محفوظ اور موہوم (مبنی بروہم و گمان) سب طرح کی چیزیں ہیں اور بلاشبہ رسول خدا کے زمانہ میں بعض لوگوں نے آپ کی طرف جھوٹی حدیثوں کو منسوب کیا"۔ لہٰذا اس حوالے سے اللہ کے رسول کو بھی ایک دو مقامات پر فرمانا پڑا کہ جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہے وہ اسے تلف کر دے۔ مزید ایک مقام پر اللہ کے حبیب نے صریحاً فرمایا کہ "جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے (کوئی غلط بات میری جانب منسوب کرے) اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے"۔

جن لوگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایسی باتیں منسوب کیں وہ پیشوایان گمراہ کے ساتھی بن گئے۔ "پس حدیث سازی کی وجہ سے انھیں صاحب اختیار کار، اور حاکم مال و جان (مردم) بنا دیا گیا۔ ان کے وسیلے سے انھوں نے دنیا کمائی، اور عام طور پر لوگ بادشاہوں کا اور دنیا کا ساتھ دیتے ہی ہیں"۔

حضرت علی کی روایت حدیث کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ "حضرت علی نے اپنی خلافت کے زمانے میں ایک جگہ فرمایا: جسے ایک درہم خرچ کرنے کی توفیق ہے وہ کاغذ خرید لائے۔ میں حدیثیں لکھواتا ہوں لکھ لے۔ ان کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب بازار جا کر ایک درہم میں کاغذ کی ایک گڈی خرید لائے۔ حضرت علی نے بہت سی چیزیں لکھوائیں، اور وہ ان کے پاس محفوظ رہیں"۔

احادیث کی کتب میں کئی احادیث حضرت علی سے بھی روایت کی ہوئی ملتی ہیں۔ جس دور میں حضرت علی نے احادیث لکھوانے کا قصد فرمایا، اصل میں وہ احادیث کی روایت کا زمانہ تھا۔

Marfat.com

"لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے پیش رو خلفا اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط اور متشدد تھے' اسی لیے دوسرے کثیر الروایہ صحابہ کے مقابلے میں آپ کی روائتیں بہت کم ہیں۔ چنانچہ آپ سے کل پانچ سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں"۔

Marfat.com

باب-۹

حضرت علیؓ - باب العلم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا تھا کہ "میں علم کا شہر ہوں' اور علی اس شہر علم کا دروازہ ہے"۔ اس سے ثابت ہے کہ حضرت بن ابی طالب علم و معرفت میں کس بلند مقام و مرتبہ پر فائز تھے۔

حضرت علی علم کی قوت اور اس کے دائرہ کار کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ "علم با آواز بلند یہ اعلان کرتا ہے کہ دنیا کا مالک میں ہوں"۔ مزید ایک مقام پر فرمایا کہ جس شخص کے پاس علم نہیں ہوتا وہی یتیم ہوتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے کہ "مومن کی فراست سے بچو کہ وہ نور الٰہی سے دیکھتا اور اسی کے الہام سے بولتا ہے"۔ اس کی حضرت علی نے یوں تشریح فرمائی کہ مومنوں کی دور رسی سے ڈرو کہ خدا نے ان کی زبانوں پر حق (اور ہو جانے والی بات) کو رکھ دیا ہے۔

علم نافع- حضرت علی علم کی اہمیت اور اس کے مفید اثرات کو ہمیشہ ذہن میں رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "بے فائدہ علم بے کار ہے اور اس کی طلب ناروا"۔

حضرت علی کے اپنے علم میں کیفیت یہ تھی کہ آپ ہر جگہ اعلان فرماتے کہ "جو پوچھنا ہو' پوچھ لو"۔ حضرت علی کے بارے میں حارث اعور کہتے ہیں کہ "بخدا میں نے علی کو دیکھا کہ وہ بزم میں بیٹھ کر بھی ویسی ہی تقریر کرتے تھے جیسے ممبر پر کھڑے ہو کر اور جنگ میں بھی وہی انداز کلام تھا جیسا کہ صلح میں"۔ اور پھر عربوں میں کلام علی کی روایت اور شہرت اتنی عام تھی کہ بولنے والے غیر شعوری طور پر حضرت علی کے جملے اور اسلوب اپناتے۔ کیونکہ اس عہد میں تمام بولنے والوں میں حضرت علی نڈر' تیز زبان اور عظیم الشان مقرر تھے۔ اور پھر اس میں شک نہیں کہ تمام بڑے انشا پرداز کلام علی کے مستفید ہونے کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ "شاہان و خلفا عرب کے انشاپردازوں کا کہنا ہے کہ اگر حضرت علی کا کلام اور حضرت علی کے خطبات نہ ہوتے تو کوئی شخص بھی اپنے امیر لشکر یا اپنی رعایا کو دو سطریں بھی نہ لکھا سکتا"۔

حضرت علی بن ابی طالب نے علم کے بارے میں جو اہم ارشادات فرمائے ہیں' ان میں

Marfat.com

سے چند ارشادات ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ:

عالم عادل ہوتا ہے۔ جس نے غور و فکر اور باریک بینی سے کام لیا اس نے علم کی گہرائی سمجھ لی۔ اور جس نے علم کی گہرائی سمجھ لی' وہ صحیح فیصلوں کی گھاٹیوں پر سیر و سیراب کامیاب پلٹا۔ کیونکہ جاہل تو ہمیشہ یا افراط کرتا ہے یا تفریط سے کام لیتا ہے لیکن علم والا ہمیشہ عدل اور انصاف کرتا ہے۔

علم کی حضرت علی کے نزدیک کئی درجہ بندیاں ہیں' مثلاً فرماتے ہیں کہ "سب سے معمولی درجے کا علم وہ ہے جو زبان پر ہو۔ اور بلند ترین وہ جو اعضاء جوارح و عمل سے ظاہر ہو"۔

علم و حکمت کے باب میں آتا ہے کہ "حکمت مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے۔ تو حکمت چاہے منافق ہی سے ملے مگر لے لو۔ اور یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ علم ایک لازوال ورثہ ہے"۔

علم خیر ہے۔ پھر حضرت علی علم کے ایک اور رخ یعنی بعد کی جانب یوں اشارہ فرماتے ہیں کہ "خیر کا یہ مطلب نہیں کہ تم اپنا مال اور اپنی اولاد بڑھا لو۔ خیر کا مطلب ہے کہ اپنا علم بڑھاؤ اور اپنی بردباری میں عظمت پیدا کرو"۔ یا رب زدنی علما۔

جنگ کے ایک موقع پر حضرت علی نے جناب کمیل بن زیاد سے گفتگو میں فرمایا کہ "لوگ تین قسم کے ہیں۔ عالم ربانی' نجات کے راستے کا طالب علم اور کمزور و فضول شخص۔ اور اے کمیل! علم' مال سے بہتر ہے کہ تمھاری حفاظت کرتا ہے' اور تم مال کو بچاتے پھرتے ہو۔ اور مال خرچ ہونے سے کم ہو جاتا ہے کہ لیکن علم استعمال کرنے سے نشو و نما پاتا ہے اور معرفت علم ایک مذہب ہے جس کے لوگ پرستار ہیں۔"

عالم کا ورثہ۔ علم ایک بڑھنے پھولنے والا ترکہ ہے۔ بہت سے عالم ہیں کہ جن کے جہل نے انھیں تباہ کر دیا حالانکہ علم ان کے پاس تھا مگر اس سے انھوں نے فائدہ نہ اٹھایا۔ ایسا ترکہ بھی اکارت ہی جاتا ہے۔ اور پھر علم کے ورثے کو سنبھالنے والوں پر بھی موقوف ہوتا ہے کہ وہ علم کی قدر کرتے ہیں کہ نہیں۔ اس لیے اگر علم کے وارث صحیح نہ ہوں تو علماء کے ساتھ ساتھ ان کا علم بھی مر جاتا ہے۔

علم اور عمل۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ "اپنی جہالت کو علم' اور یقین کو شک نہ بناؤ۔ جب کچھ علم ہو تو عمل کرو اور یقین ہو جائے تو اقدام بھی کرو"۔ اہل علم گو مگو کی کیفیت میں نہیں رہتے کیونکہ ان میں معرفت ہوتی ہے۔ معرفت کی بلندی پر بہانہ تراشی کا عذر موجود نہیں

Marfat.com

رہتا۔

عالم بے عمل کی مثال تیر کے بغیر تیر انداز کی سی ہے۔ علم عمل سے وابستہ ہے۔ جسے علم ہو گا وہ عمل بھی کرے گا۔ اور علم تو حقیقت میں عمل کو پکارتا ہے' اگر عمل اس پر لبیک کہتا ہے اور یہ خیر ہے۔ ورنہ علم وہاں سے کوچ کر جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر حضرت علی نے فرمایا کہ: دین و دنیا کا مدار چار آدمیوں پر ہے۔ وہ عالم جو اپنا علم کام میں لائے۔ وہ جاہل جو علم حاصل کرنے میں عیب نہ محسوس کرے۔ وہ فقیر جو اپنی آخرت دنیا کے ہاتھ نہ بیچے۔ جب عالم اپنا علم ضائع کرتا ہے تو تو جاہل تحصیل علم سے نفرت کرتا ہے۔

علم کی خاصیت ۔ علم کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے ہر برتن بھر جاتا ہے۔ جہاں علم ہے وہاں جہالت کا گزر نہیں۔ اس علم کے ظرف میں جو رکھا جاتا ہے وہ مسلسل بڑھتا جاتا ہے' لیکن اس ظرف کے علم میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی۔

ایک جگہ پر حضرت علی نے فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کا جائزہ کیا وہ بالیقین نفع میں رہا۔ اور جس نے غفلت کی اسے گھاٹا ہوا۔ اور جو خدا سے ڈرا وہ بے خوف ہو گیا۔ اسے غیر خدا اور عذاب کا کوئی خطرہ نہیں۔ اور جس نے عبرت حاصل کی اس نے حقیقت کو دیکھ لیا اور سمجھ گیا اور پھر جو سمجھ گیا اسے علم (یقین) ہو گیا۔

کسی نے حضرت علی سے پوچھا عقل مند کی تعریف فرمائیں۔ فرمایا۔ جو ہر چیز کو اس کے موقع پر استعمال کرے۔ اس شخص نے دوبارہ کہا اب جاہل کے متعلق فرمائیں۔ اس پر حضرت علی نے فرمایا: کہہ چکا۔ مطلب یہ کہ جاہل وہ ہے جو چیزوں کو برمحل استعمال نہ کرے۔ گویا تعریف نہ کرنا ہی تعارف ہے' کیونکہ عقل مند کی تعریف کے خلاف ہی جاہل کی تعریف ہو گی۔

علم ایک ایسا اسلحہ ہے کہ جو عالم کا محافظ ہوتا ہے۔ علم کی راہیں واضح ہوتی ہیں۔ علم کی اپنی شاہراہیں ہوتی ہیں۔ ان پر ظلمت کے سایے نہیں ہوتے۔ علم دھندلکوں سے دور ہوتا ہے۔ علم عمل سے وابستہ ہے اس لیے بہانہ تراش اور عذر خواہ لوگوں کے بہانے اور عذر ختم کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس شخص یا قوم کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اس سے صرف علم چھین لیتا ہے۔ اور یہ اللہ کا قانون ہے کہ اس نے جب کسی کو ذلیل کرنا ہوتا ہے اس پر علم حرام کر دیتا ہے۔ اور ہاں علم کا چھن جانا بہت بڑا سانحہ ہے۔ اس سے قوموں کی قومیں بے نشان ہو جاتی ہیں۔

سائل کو چاہیے کہ وہ علم کے لیے کسی عالم سے برائے معرفت اور تعلیم ہی سوال کرے۔

Marfat.com

عالم کا امتحان لینا اور انہ سے الجھا کر پریشان کرنا گمراہ لوگوں کا شعار ہے۔ اس امر میں کوئی باک نہیں کہ جان لو جاہل طالب علم بھی عالم ہی کی مانند ہوتا ہے۔ اور عالم زور آور جاہل کی طرح ہوتا ہے۔اس لیے جس طرح مومن کی فراست سے ڈرنا ضروری ہے اسی طرح عالم کی جہالت سے بھی ڈرتے رہنا چاہیے۔

علم کی قسمیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ یا علم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک قسم علم مطبوع ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایسا علم جو فطرت میں رچا بسا ہو اور عمل سے بھی ظاہر ہو رہا ہو۔ دوسری قسم میں علم مسموع ہے۔ یعنی جسے سن تو لیا لیکن اس کی اپنے عمل سے تائید نہ کی۔ اس لیے علم مسموع اس وقت تک ہرگز مفید نہیں ہوتا جب تک وہ علم مطبوع کا درجہ حاصل نہ کرے۔

کلام پہچان ہے۔ حضرت علی کا قول ہے کہ "بولو کہ تمھیں پہچانا جا سکے"۔ اس کی حقیقت یوں بیان کی گئی ہے کہ ہر انسان اصل میں زبان کے پردے میں چھپا ہوا ہے۔ اور زبان کیا ہے؟ اس سلسلے میں فرمایا گیا کہ "زبان ایک درندہ ہے۔ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو یہ ہر ایک کو کاٹنے لگتا ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ دانا لوگوں کو اپنی زبان پر اختیار ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آدمی کا علم جس قدر بڑھتا جاتا ہے' اس کی زبان گنگ ہوتی جاتی ہے۔ اور اسی طرح جب عقل پختہ ہو جاتی ہے تو آدمی کی گفتگو کم ہو جاتی ہے۔

یہ زمانہ بدن کو کمزور اور بوسیدہ کرتا رہتا ہے' لیکن اس کے برعکس ہوس اور امیدوں کو نیا کرتا رہتا ہے۔ قصراِمل سو سو طرح کے بنوانے لگتا ہے۔ زمانہ موت کو قریب کر دیتا ہے۔ لیکن اس زمانے میں جو دوسروں کو تعلیم دیتا ہے۔ یا منبع علم و معرفت ہے۔ اصل میں وہ اس عہد میں اپنی ہی تعلیم کر رہا ہوتا ہے' اس کی اپنی ذات تکمیل پا رہی ہوتی ہے۔

اس کی تفہیم و تشریح یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ دوسروں کو تعلیم دینے سے پہلے اس شخص کا اپنا کردار' زبان سے پہلے ادب سکھائے۔ اپنے نفس کو مودب بنانے والا اور قابل بنانے والا دوسروں کو تعلیم دینے والوں سے زیادہ محترم اور قابل تعظیم و عزت ہوتا ہے۔

اور پھر اسی پس منظر میں فرمایا گیا کہ "جو نہ جانتے ہو وہ نہ کہو بلکہ ہر معلوم بات بھی کہنے سے پہلے بار بار سوچ لو کہ کیا کہنے لگے ہو! اور یاد رکھو کہ بات جب تک نہیں کہی گئی وہ تمھاری قید میں ہے۔ مگر جب تک تم چپ ہو بات پر تمھارا ضبط اور قابو ہے۔ لیکن جب تم بول دیتے ہو تو تمھیں اس کا پابند ہونا پڑے گا۔ اس لیے زبان کے الفاظ کی اسی طرح حفاظت کرو۔ جس طرح سونے اور چاندی کی حفاظت کرتے ہو۔ اور ہاں یہ بھی یاد رکھو کہ بہت سے لفظ نعمت

Marfat.com

چھین لینے کا موجب بھی بن سکتے ہیں اور ان سے عذاب ہی عذاب ہے"۔

ہر بات کرنے سے پہلے اچھی طرح سے سوچ لو' اس کو تول پرکھ لو۔ کیونکہ بہت سی باتیں حملہ قتل سے بھی زیادہ اثر انگیز اور شدید ہوتی ہیں۔ اس لیے باتوں میں لفظوں کے استعمال میں بڑی ذمے داری کے ساتھ احتیاط سے کام لو۔ یہ احتیاط تمھاری انا کو مجروح ہونے سے بچا سکتی ہے۔

عقل سلیم۔ تمھاری سوچ بچار اور عقل و فکر تمھارے تابع ہے۔ اس عقل کو بے مہار نہ ہونے دو۔ تمھاری عقل کا یہی فائدہ ہے کہ اس کو گمراہی سے بچنے کے لیے بروئے کار لایا جائے۔ عقل سلیم وہی ہے جو گمراہی کا راستہ' راہ ہدایت سے الگ کر کے دکھا دے۔

عقل تیز تلوار ہے اس کی کاٹ کاری ہے۔ اس کی چمک چکا چوند ہے۔ عقل سلیم رکھتے ہو تو سب سے پہلے اس تلوار سے اپنی خواہشات ہی کو قتل کرو۔ دوسروں کو جب چاہو گے' اس سے قتل کر ہی لو گے۔

طلب علم۔ علم پیاس بھڑکاتا ہے۔ جس قدر زیادہ سیرابی ہوتی ہے۔ اسی قدر زیادہ پیاس بڑھتی جاتی ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ "دنیا میں دو بھوکے ایسے ہیں کہ جن کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا ہے۔ ایک طالب علم اور دوسرا طالب دنیا"۔

ایک اور باریک نقطہ حضرت علی نے یوں بیان کیا کہ علم بہر صورت جہالت سے مقدم ہے۔ "خدا نے جاہلوں سے تعلیم حاصل کرنے کا عہد' عالموں سے تعلیم دینے کے عہد کے بعد لیا ہے"۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ عالم پر تعلیم دینا واجب ہے۔ ہر پیغمبر بھی بنیادی طور پر عالم اور تعلیم دینے والا معلم ہی ہوتا ہے۔

طالب علم کی غلطی اس کی اصلاح کی بنیاد بنتی ہے لیکن عالم کی غلطی قوموں کو لے ڈوبتی ہے۔

Marfat.com

باب-۱۰

حضرت علیؓ امیر سخن

حضرت علی بن ابی طالب نے چار سال نو مہینے تک فریضہ خلافت انجام دیا۔ اپنے اس دور خلافت میں انھوں نے اپنے عمال اور سلطنت اسلامی کے متعدد منصب داروں سے متواتر اور مسلسل رابطہ رکھا۔ اس رابطے کے لیے زبانی ہدایات کے ساتھ مکتوبات' خطوط اور پیغامات کے ذریعے سے ان لوگوں کی جا بجا رہنمائی کی۔

حضرت علیؓ کے اس حوالے سے جو ارشادات ہیں اصل میں ان کی حیثیت اور اہمیت دستور جہاں بانی کی ہے۔ وہ انسانیت کے لیے ایک دستور حیات کا درجہ رکھتے ہیں۔

حضرت علیؓ مالک اشتر گورنر مصر کو جو ایک مبسوط خط لکھا' اس کی امتیازی حیثیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ اس خط میں ایک طرح سے انھوں نے پورے دستور حکومت کی نشاندھی کردی تھی۔

مالک اشتر کے نام ایک مکتوب۔ مالک اشتر کو حضرت علی نے جب مصر کا گورنر مقرر کیا تو اس وقت انھیں ایک تاریخی اور عہد ساز مکتوب لکھا۔ ذیل میں اس کے چیدہ نکات پیش ہیں۔ اپنے اس مکتوب میں حضرت علی نے مالک بن الحارث اشتر کو جو اس کے منصب کے فرائض بتائے ان میں ملک کا خراج جمع کرنا۔ اس کے دشمنوں سے لڑنا' اس کے باشندوں کی سود و بہبود کا خیال رکھنا اور اس کی زمین کو آباد کرنا اہم نکات تھے۔ اس پس منظر میں حضرت علی نے اسے جو ہدایت نامہ جاری کیا۔ اس میں کہا گیا:

تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ نیک آدمی اس آواز سے پہچانا جاتا ہے جو خدا اپنے بندوں کی زبان پر اس کے لیے جاری کر دیتا ہے۔

لہٰذا تیرا دل پسند ذخیرہ عمل صالح کا ذخیرہ ہو۔ اپنے دل میں رعایا کے لیے رحم' محبت' لطف پیدا کرنا۔ خبردار! رعایا کے حق میں پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جانا کہ اسے لقمہ بنا ڈالنے ہی میں تجھے اپنی کامیابی دکھائی دے۔

خدا حاکم ہے۔ کبھی نہ بھولنا کہ تم رعایا کے افسر ہو۔ خلیفہ تمھارا افسر ہے' اور خدا خلیفہ

Marfat.com

کے اوپر حاکم ہے۔ خلیفہ نے تمھیں حاکم بنایا ہے' اور مصر کی ترقی و اصلاح کی ذمے داری تمھیں سونپ دی ہے۔ خبردار! رعایا سے کبھی نہ کہنا کہ میں تمھارا حاکم بنا دیا گیا ہوں' اور اب میں ہی سب کچھ ہوں۔ سب کو میری تابعداری کرنی چاہیے۔ اس ذہنیت سے فساد پیدا ہوتا ہے۔

اور اگر حکومت کی وجہ سے غرور پیدا ہونے لگے تو سب سے بڑے بادشاہ! اللہ کی طرف دیکھنا جو تمھارے اوپر ہے اور تم پر قدرت رکھتا ہے۔

خبردار خدا سے لڑائی مول نہ لینا' کیونکہ آدمی کے لیے خدا سے کوئی بچاؤ نہیں۔ خدا کے عفو و رحمت سے تم کبھی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ خبردار! خدا کے ساتھ اس کی عظمت میں بازی نہ لگانا۔ اس کی جبروت میں تشبہ اختیار نہ کرنا' کیونکہ خدا جباروں کو ذلیل کر ڈالتا ہے۔ اور مغروروں کو نیچا دکھا دیتا ہے۔

خدا کے بندوں کی رضا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ جو کوئی خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو خدا اپنے مظلوم بندوں کی طرف سے ظالم کا حریف بن جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو عوام کی ناراضی' خواص کی رضامندی کو بہا لے جاتی ہے' اور خواص کی ناراضی' عوام کی ناراضی کے ہوتے ہوئے گوارا کر لی جاتی ہے۔ کروڑوں (عوام) کے مقابلے میں سب سے کم ثابت قدم رہنے والے خواص ہی ہوتے ہیں۔

مشاورت کی ضرورت۔ حتی المقدور لوگوں کے ڈھکے کو ڈھکا ہی رہنے دینا۔ ایسا کرو گے تو خدا بھی تمھارے عیب ڈھکے رہنے دے گا جو تم رعایا سے چھپانا چاہتے ہو۔ وہ سب اسباب دور کر دینا جو لوگوں میں بغض و کینہ پیدا کرتے ہیں۔ عداوت و غیبت کی ہر رسی کاٹ ڈالنا۔ خبردار! چغل خور کی بات ماننے میں جلدی نہ کرنا' کیونکہ چغل خور دغاباز ہوتا ہے' اگرچہ خیر خواہ کا روپ دھار کر سامنے آتا ہے۔

اپنے مشورے میں بخیل کو شریک نہ کرنا کیونکہ وہ تمھیں احسان کرنے سے روکے گا' اور فقر سے ڈرائے گا۔ بزدل کو بھی شریک نہ کرنا' کیونکہ وہ مہمات میں تمھاری ہمت کو کمزور کر دے گا۔ اور حریص کو بھی شریک نہ کرنا۔ کیونکہ ظلم کی راہ سے دولت سمیٹنے کی ترغیب دے گا۔

حق گوئی و بیباکی۔ بد ترین وزیر وہ ہے جو شریروں کی طرف داری کرے اور گناہوں میں ان کا ساجھی ہو۔ ایسے آدمی کو وزیر نہ بنانا۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ خاص الخاص لوگوں میں بھی وہی تمھاری نگاہ میں سب سے زیادہ

Marfat.com

مقبول ہوں جو زیادہ سے زیادہ کڑوی بات تم سے کہہ سکتے ہوں۔ اہل تقویٰ و صدق کو اپنا مصاحب بنانا۔

اچھے دستور۔ کسی اچھے دستور کو نہ توڑنا' جو اس امت کے اگلے لوگ جاری کر گئے ہیں۔ اور جس سے لوگوں میں اتحاد پیدا ہوتا ہے' رعایا کی بھلائی ہوتی ہے۔ اس بارے میں اہل علم و عرفان سے مشورہ کرتے رہنا کہ تعمیر و اصلاح کے وسائل کیا ہیں اور انھیں کس طرح استحکام و دوام بخشا جائے۔

افسر کی خوبیاں۔ دیکھو! اپنی فوج کے معاملے میں ہوشیاری سے کام لینا۔ انھی لوگوں کو افسر بنانا جو تمھارے خیال میں اللہ کے رسول اور تمھارے امام کے سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں۔ صاف دل ہوں۔ ہوش مند ہوں۔ جلد غصے میں نہ آجاتے ہوں۔ عذر معذرت قبول کر لیتے ہوں۔ کمزوروں پر ترس کھاتے ہوں۔ زبردستوں پر سخت ہوں۔ نہ انھیں سختی جوش میں لے آتی ہو نہ کمزوری انھیں بٹھا دیتی ہو۔

فوج کے لیے انھی لوگوں کو منتخب کرنا جن کا حسب نسب اور خاندان اچھا ہے۔ وہی فوجی سردار تمھارے سب سے مقرب ہوں جو فوجیوں کی سب سے زیادہ مدد کرتے ہوں۔

رعایا کی امیدیں۔ رعایا کے لیے ان کی امیدوں کے میدان کشادہ رکھنا۔ بہادروں کے کارنامے سراہنا۔ ہر آدمی کے کارنامے کا اعتراف کرنا۔ انعام دینے میں کبھی کوتاہی نہ کرنا۔ کسی ادنیٰ کے اعلیٰ کارنامے کو ضائع نہ کرنا۔

پھر ملک میں انصاف قائم کرنے کے لیے ایسے لوگوں کو انتخاب کرنا جو تمھاری نظر میں سب سے افضل ہوں تمھارا فرض ہے کہ اپنے قاضیوں کے فیصلوں کی جانچ کرتے رہو۔ اسی طرح عمال حکومت کے معاملات پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے۔ عہدے داروں کو اچھی تنخواہیں دینا۔ نیک لوگوں کو مخبر بنا کر ان پر چھوڑ دینا۔ اس طرح اگر کوئی شخص خیانت کرے تو تم بھی سزا کا ہاتھ بڑھانا۔ جسمانی اذیت کے ساتھ ساتھ خیانت کی رقم بھی اگلوا لینا۔

دیکھو خراج اور محکمہ خراج کی نگرانی میں کوتاہی نہ ہو۔ خراج کے ٹھیک رہنے ہی میں سب کی بھلائی ہے' اور اسی میں سلطنت کی خوشحالی مضمر ہے۔

ملک کی بربادی۔ یاد رکھنا' ملک کی بربادی تو باشندوں کی غربت ہی سے ہوتی ہے۔ اور باشندوں کی غربت کا یہ سبب ہوتا ہے کہ حاکم دولت سمیٹنے پر کمر باندھ لیتے ہیں کیونکہ انھیں اپنے تبادلوں اور زوال کا دھڑکا لگا رہتا ہے اور وہ عبرتوں سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے۔

Marfat.com

دیکھو! اپنی حکومت میں اجارہ داری کی قطعی ممانعت کر دینا۔ ہر محکمے کا ایک صدر مقرر کرنا وہ مشکلات میں بد حواس نہ ہو۔ تمھارے زیر تسلط علاقے میں خرید و فروخت خوش دلی سے ہو۔ وزن بٹے ٹھیک رہیں۔ نرخ مقرر ہوں۔ یتیموں اور غریبوں کا خاص خیال رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں حاکموں پر بے شک گراں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بھی سوچنا پورے کا پورا حق گراں ہی ہے۔

عوام سے مجلس۔ اور تم اپنے وقت کا ایک حصہ فریادیوں کے لیے خاص کر دینا۔ سب کام چھوڑ کر ان سے ملا کرنا۔ ایسے موقعے پر تمھاری مجلس عام رہے کہ جس کا جی چاہے بے دھڑک چلا آئے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اس مجلس میں عوام ہی جمع ہوں گے۔ اب اگر یہ بد تمیزی سے بات کریں یا اپنا مطلب صاف بیان نہ کر سکیں تو خفا نہ ہونا۔ برداشت کر لینا۔ خبردار! زجر و توبیخ نہ کرنا۔ تکبر سے پیش نہ آنا۔

روز کا کام روز۔ اور ہاں ایک معاملہ یہ ہے کہ جس دن روپیہ آئے اسی دن مستحقوں میں بانٹ دینا۔ روز کا کام روز ختم کر دینا' کیونکہ ہر دن کے لیے اسی دن کا کام بہت ہوتا ہے۔

اور دیکھو اپنے وقت کا سب سے افضل حصہ اپنے پروردگار کے لیے خاص کر دینا۔ اگرچہ سب وقت اللہ ہی کے ہیں۔ اور یاد رکھو! جب امامت کرنا تو ایسی امامت نہیں کہ لوگ نماز ہی سے بیزار ہو جائیں اور ایسی امامت بھی نہیں کہ نماز کا کوئی رکن ضائع ہو جائے۔

جب حاکم رعایا سے ملنا جلنا چھوڑ دیتا ہے تو رعایا بھی ان لوگوں سے ناواقف ہو جاتی ہے جو اس سے پردے میں ہو گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے لوگ اس کی نگاہ میں چھوٹے ہو جاتے ہیں اور چھوٹے لوگ بڑے بن جاتے ہیں۔ اچھائی برائی بن جاتی ہے اور برائی اچھائی۔ حق اور باطل میں تمیز اٹھ جاتی ہے۔

تمھیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ حاکم کے درباریوں اور مصاحبوں میں خود غرضی' تعلی' زیادتی اور بد معاملگی ہوا کرتی ہے'۔ ان کے شر سے مخلوق کو بچانے کی صورت یہی ہے کہ ان کی برائیوں کے سرچشمے بند کر دیئے جائیں۔

اگر رعایا کو تم پر کبھی ظلم کا شبہ ہو جائے تو بے دھڑک رعایا کے سامنے آجانا اور ان کا شبہ دور کر دینا۔ اس سے تمھارے نفس کی ریاضت ہو گی۔ دل میں رعایا کے لیے نرمی پیدا ہو گی۔

عہد کی پاسداری۔ خبردار! عہد و پیمان میں کوئی دھوکا' کوئی کھوٹ نہ رکھنا اور معاہدے کی عبارت ایسی نہ ہونے دینا کہ گول مول' مبہم ہو' کئی کئی مطلب اس سے نکلتے ہوں۔ اگر کبھی ایسا

Marfat.com

ہو جائے تو عہد دے چکنے کے بعد ایسی عبارت سے فائدہ نہ اٹھانا۔

خبردار! خود پسندی کے شکار نہ ہو جانا۔ نفس کی جو بات پسند آئے اس پر بھروسہ نہ کرنا۔ خوشامد پسندی سے بچنا۔ اور ہاں رعایا پر کبھی احسان نہ جتانا۔ جلد بازی سے کام نہ لینا۔ کسی ایسی بات یا چیز کو اپنے لیے خاص نہ کرلینا جس میں سب کا حق برابر ہے اور نہ ایسی باتوں سے انجان بن جانا جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

اللہ کی سلطنت۔ "آخر میں' میں اللہ بزرگ و برتر سے دست بدعا ہوں جس کی رحمت وسیع اور قدرت عظیم ہے کہ مجھے اور تمھیں س راہ کی توفیق بخشے جس میں ان کی رضامندی اور مخلوق کی بھلائی ہے' ساتھ بندوں میں نیک نامی اور ملک کے لیے ہر طرح کی اچھائی ہے' اور یہ کہ اس کی نعمت ہم پر پوری ہو"۔

مالک اشتر کے نام اس مکتوب کے مندرجہ بالا اقتباسات ہی پر موقوف نہیں حضرت علی کے خطبات' مکتوب اور دیگر فرامین میں بھی زندگی اور جہاں بانی اور ملکی مفادات کے لیے روشن عبارتیں موجود ہیں۔

ملکی اصلاح۔ ملکی اصلاح اور بنیادی حقوق کے بارے میں اپنے ایک خطاب میں حضرت علی نے فرمایا کہ: خدا کی جانب سے حاکم پر رعایا کے اور رعایا پر حاکم کے فرائض ہوتے ہیں۔ رعایا کی اصلاح اصل میں حاکموں ہی کی اصلاح پر ہے' اور اس کی اصلاح رعایا کی استقامت و استقلال پر موقوف ہے۔ جب رعایا اپنے حاکم پر غالب آ جائے یا حاکم رعایا پر ظلم کرنے لگے تو اتحاد کا خاتمہ اور ظلم کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ بلند کردار آدمیوں کے نزدیک حاکم کے حالات میں سب سے زیادہ بری بات یہ ہے کہ وہ فخر پسند اور اپنی حکومت کو بڑائی سمجھتا ہو۔

حکومت امانت ہے۔ حضرت علی نے اشعث بن قیس' آذربائیجان کے نام ایک خط میں لکھا: تمھارا یہ عہدہ کوئی خوان نعمت نہیں ہے' بلکہ تمھارے گلے میں امانت ہے اور تم بالا دست حاکم کے سامنے جواب دہ ہو۔ تمھارے ہاتھ میں جو مال ہے' خدا کا ہے۔ تم اس کے خزانچی ہو۔

ایک اور عامل کے نام اپنے خط میں حضرت علی حکم دیتے ہیں کہ " تمھارے علاقے کے زمینداروں نے تمھاری سختی' سنگ دلی' تحقیر اور بے پروائی کی شکایت کی ہے۔ اگرچہ یہ لوگ مشرک ہیں لیکن ان سے بے پروائی برتنا ٹھیک نہیں ہے۔ تم ایسا کرو کہ ان کے لیے نرمی کا لباس پہن لو' جس کے کناروں پر سختی کی گوٹ ہو۔ نرمی اور سختی کے بین بین سلوک کرو۔ نہ ایسا

Marfat.com

ہو کہ بالکل دور ہو جائیں اور نہ ایسا کہ بالکل قریب آ جائیں۔ ایک درمیانی برتاؤ ان سے کرتے رہو"۔

زیاد بن ابیہ کے نام ایک خط میں اسے فضول خرچی سے ہوشیار رہنے کے لیے تنبیہہ کرتے ہوئے حضرت علی لکھتے ہیں کہ: "اعتدال کی راہ سے اسراف کو چھوڑ دے۔ آج کے دن کل کو یاد کر جتنی ضرورت ہے اتنا ہی مال رکھ۔ اور یاد رکھ' مسلمانوں کے مال میں تیری ذرا سی خیانت بھی سن لوں گا تو ایسی سختی سے پیش آؤں گا کہ تو بے سروسامان ہو کر رہ جائے گا' تیری پیٹھ بوجھل ہو جائے گی' اور تو کہیں کا بھی نہیں رہے گا"۔

محمد بن ابی بکر کو حضرت علی نے مصر کا گورنر بناتے وقت اپنے فرمان میں لکھا "اور اے محمد! رعایا سے خاکساری برتنا۔ نرمی سے پیش آنا۔ بشاشت ظاہر کرنا۔ اپنے برتاؤ اور نظر میں سب کو مساوی رکھنا تاکہ نہ بڑے لوگ چھوٹوں پر تمھارے ظلم کی امیدیں رکھیں' نہ چھوٹے لوگ بڑوں کے مقابلے میں تمھارے انصاف سے مایوس ہو جائیں۔ دنیا تمھارے پیچھے سے تہہ ہوتی چلی جا رہی ہے' لہٰذا دوڑ اس دوزخ سے جو بہت گہری ہے اور جس کی گرمی بڑی سخت ہے"۔

دوست اور دوستی۔ حضرت علی نے اپنے فرزند ارجمند حضرت حسن کے لیے وصیت نامہ لکھا' اس میں زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں دوست اور دوستی کے حوالے سے موجود ہے کہ "دوست دوستی توڑے تو تم اسے جوڑ دو' وہ دوری اختیار کرے تو تم نزدیک ہو جاؤ۔ وہ سختی کرے تو تم نرمی کرو۔ وہ غلطی کرے تو اس کے لیے عذر تلاش کرو۔ دوست کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو گویا تم غلام ہو اور وہ آقا۔ لیکن خبردار یہ برتاؤ بے محل نہ ہو۔ نا اہل کے ساتھ نہ ہو۔ دوست کے دشمن کو دوست نہ بناؤ' ورنہ دوست بھی دشمن ہو جائے گا۔ دوست کو بے لاگ نصیحت کرو اچھی لگے یا بری۔ غصہ پی جایا کرو۔ جو تم سے سختی کرے' تم اس سے نرمی کرو' خود بخود نرم پڑ جائے گا۔ دوستی کا ٹنا ضروری ہی ہو تو بھی کچھ لگاؤ باقی رکھو' تاکہ جب چاہو دوستی کو جوڑ سکو۔ جو تم سے حسن ظن رکھے اس کے حسن ظن کو جھوٹا نہ ہونے دیں۔ دوست کے حقوق اس گھمنڈ میں تلف نہ کرو کہ دوست ہے' کیونکہ جس کے حقوق تلف کیے جاتے ہیں وہ دوست نہیں رہتا۔ جو کوئی بے پروائی ظاہر کرے اس کی طرف نہ جھکو۔ دوست دوستی توڑنے میں اور تم دوستی جوڑنے میں برابر نہ ہو۔ تمھارا پلہ ہمیشہ بھاری رہے۔ دوست رشتہ دار کی طرح ہے۔ سچا دوست وہی ہے جو پیٹھ پیچھے حق دوستی ادا کرے۔ احمق سچا دوست وہی ہے جو پیٹھ پیچھے حق دوستی ادا رکے۔ احمق سے دوستی کا کاٹنا عقل مند سے دوستی جوڑنے کے برابر ہے"۔

Marfat.com

عورت کے لیے۔ "لوگو! بدکردار عورتوں سے بچو۔ اور نیکوں سے محتاط رہو اور نیک کاموں میں بھی ان کے فرمابردار نہ بنو تاکہ وہ برائی میں تمھاری فرمانبرداری کی امید نہ رکھیں"۔

عورت کو لوگوں کی سفارش کرنے کا عادی نہ بناؤ۔ بے جا رقابت ظاہر نہ کرو کیونکہ اس سے پاک باز اور بے لاگ عورت کی بھی برائی کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

خبردار عورتوں سے مشورہ نہ کرنا' کیونکہ ان کی عقل کمزور ہوتی ہے اور ارادہ ضعیف۔ پردے میں بٹھا کر ان کی نگاہوں کی حفاظت کرو۔ بداطوار لوگوں کی ان میں آمد و رفت ان کے بے پردہ میں رہنے سے زیادہ خطرناک ہے۔ حتیٰ الوسع اپنے سوا کسی بات میں خود مختار نہ ہونے دو۔ کیونکہ عورت پھول ہے جلاد نہیں ہے۔ عفت' مفلسی اور شکر دولت مندی کی زینت کی۔

خدا کا حساب۔ حضرت علی نے اپنے ایک عہدہ دار کے نام اس مقصد کے لیے ایک تنبیہی خط لکھا اور اس میں اسے عذاب الٰہی سے بھی ڈرایا کہ "مجھے ایک خبر ملی ہے' اگر سچی ہے تو تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کر لیا ہے۔ اپنے امام کی نافرمانی کی ہے۔ اپنی امانت گنوا دی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ تم نے ملک کو اجاڑ دیا ہے' جو کچھ تمھارے پاؤں کے نیچے تھا اسے ہتھیا لیا ہے اور جو کچھ تمھارے ہاتھ میں تھا اسے ہڑپ کر لیا۔ لہٰذا حساب میرے پاس بھیجو اور یقین کرو' خدا کا حساب آدمیوں کے حساب سے کہیں زیادہ خوفناک ہے۔"

دو روٹیاں کافی ہیں۔ عثمان غنی بن حنیف انصاری بصرہ کے گورنر تھے۔ وہ کسی کے یہاں کھانے پینے کی دعوت میں گئے۔ اس امر کی جب حضرت علی خلیفتہ المومنین کو خبر ہوئی تو انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں اسے ہدایت کی کہ "ابن حنیف! مجھے معلوم ہوا ہے کہ بصرہ کے ایک بے فکرے نے تمھیں دعوت دی اور تم دوڑے پڑے۔ قسم قسم کے کھانے تھے۔ تم مزا لے کے کھاتے تھے اور تمھارے آگے قابوں پر قابیں بڑھائی جاتی تھیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم ایسے لوگوں کی دعوت قبول کرو گے جن کے دروازے پر محتاج دھتکارے جاتے ہیں' اور جن کے دسترخوان پر صرف مالدار بلاتے جاتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ ایک امام ہوتا ہے' لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس کے نور علم سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ تمھارے امام کے لیے اس دنیا کے سازو سامان میں سے پہننے کو دو گدڑیاں اور کھانے میں دو روٹیاں بہت ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم سب ایسا نہیں کر سکتے' البتہ اپنی پرہیزگاری' ریاضت عفت اور نیکی سے میری مدد کر سکتے ہو۔

یہ بیماری کیا کم ہے کہ تمھارا پیٹ کھانوں سے بوجھل ہو لوگ چھچھڑوں تک کو ترس

Marfat.com

رہے ہوں۔ جبکہ حجاز یا یمامہ میں شاید کوئی ایسا ہو جسے ایک ایک روٹی کی بھی امید نہیں۔ دور ہو جا اے دنیا مجھ سے۔ میری آنکھوں میں آنسو بھی نہ ہوں گے۔ اونٹ اور مویشی اپنے چارے دانے کھا کر اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں۔ کیا علی بھی اتنا کھا لیا کرے کہ آسودہ ہو جائے۔

تو اے ابن حنیف! خدا سے ڈر۔ تیرے لیے دو روٹیاں کافی ہوں تاکہ دوزخ سے تیری مخلصی کا پروانہ بن جائیں"۔

نمود و نمائش۔ منذر بن الجارود عبدی ایک منصب دار تھا۔ وہ بڑا فضول خرچ' بے پرواہ اور مغرور ہو گیا تھا۔ نمود و نمائش اور ظاہری وجاہت اور ملبوسات کا بھی دلدادہ تھا۔ اس حقیقت کا علم ہونے پر حضرت علی امیرالمومنین نے اسے ایک مکتوب میں فرمایا:

"مجھے خبر ملی ہے کہ تو نہ اپنی خواہش کو لگام لیتا ہے نہ آخرت کے لیے کوئی توشہ باقی رکھتا ہے۔ اپنی دنیا بنانے کے لیے اپنی عاقبت کے حصے برباد کر رہا ہے۔ کنبہ پروری پر اپنا دین قربان کر رہا ہے۔ اگر وہ سب کچھ جو مجھے بتایا گیا ہے سچ ہے تو جان لے کہ تیرے گھر کا اونٹ اور تیرے پہننے کی جوتی کا تسمہ بھی تجھ سے بہتر ہے۔ تیرے جیسے شخص کو کسی امانت میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ خط ملتے ہی میرے پاس پہنچ جاؤ"۔

حضرت عبداللہ بن عباس جس وقت بصرہ کے گورنر تھے وہ بنی تمیم پر قدرے سختی کرتے تھے۔ اس حوالے سے حضرت علی نے انھیں ایک مکتوب میں فرمایا کہ: "تم بصرہ والوں سے اچھا سلوک کرو۔ ان کے دلوں سے خوف کی گرہیں نکال دو۔ لہٰذا اے ابن عباس خدا کی رحمت ہو تجھ پر' اپنی زبان سے اور ہاتھ سے خیر و شر میں ہوشیار رہ۔ تجھ سے میرا حسن ظن کمزور نہ ہونے پائے"۔

ذاتی ملکیت۔ قاضی شریح بن حارث کے بارے میں کسی نے خبر دی کہ اس نے اپنے لیے ایک مکان خرید لیا ہے۔ اس پر امیرالمومنین حضرت علی نے اس قاضی کو طلب کیا اور فرمایا "تم نے اسی دینار میں ایک گھر مول لیا ہے"۔ شریح نے اقرار کیا' تو امیرالمومنین نے غصہ کی نگاہ سے دیکھ کر فرمایا "اے شریح جلد ہی تیرے پاس وہ آ پہنچے گا جو نہ تیری دستاویز دیکھے گا نہ تیرے گواہوں ہی کو پوچھے گا۔ وہ بس تجھے گھر سے بیک بینی و دو گوش نکال باہر کر کے سیدھا قبر میں پہنچا دے گا"۔

امیر سخن۔ خلیفہ چہارم حضرت علی نے اپنے ایک خطاب میں زبان کی حقیقت اور ماہیت کے حوالے سے فرمایا: "خبردار! زبان' انسان کے اعضا کا ایک ٹکڑا ہے مگر گویائی اس وقت اس کا

Marfat.com

ساتھ نہیں دیتی جب بولنے والا کمزور ہو۔ اور گفتار زبان مہلت نہیں دیتی جب بولنے والا توانا ہو اور ہم خاندان رسالت امیر سخن ہیں۔ سخن ہماری فرمانروائی میں ہے۔ اس کے ریشے ہماری رگ رگ میں بھرے ہوئے ہیں' اور اس کی شاخیں ہم پر سایہ فگن ہیں۔

تم میں میری مثال اس چراغ کی سی ہے جو اندھیرے میں اس لیے ہوتا ہے کہ جو آئے وہ روشنی حاصل کرے۔ تو لوگو سنو اور یاد رکھو اور دل کے کان لگا کر سنو۔

لوگو! مجھے کھونے سے پہلے پوچھ لو کہ میں زمین کے راستوں کے مقابلے میں آسمانی راہوں سے زیادہ واقف ہوں۔

Marfat.com

بزم غوث اعظمؒ	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
فتوح الغیب	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
علوم مصطفیٰﷺ	امام احمد رضا خاں بریلوی
احکام شریعت	امام احمد رضا خاں بریلوی
عرفان شریعت	امام احمد رضا خاں بریلوی
فتاویٰ افریقہ	امام احمد رضا خاں بریلوی
الامن والعلی	امام احمد رضا خاں بریلوی
حدائق بخشش	امام احمد رضا خاں بریلوی
رسائل باہوؒ	حضرت سلطان باہوؒ
کلام باہوؒ	حضرت سلطان باہوؒ
کلام بلھے شاہ	حضرت بلھےؒ شاہ
اسلام	امام غزالیؒ
مکاشفۃ القلوب	امام غزالیؒ
فلسفہ دعا	علامہ فضل احمد عارف
برکات رمضان	علامہ فضل احمد عارف
برکات بردہ	علامہ فضل احمد عارف
سیرت سلیمانؓ فارسی	علامہ فضل احمد عارف
اچھی نماز	مولانا جلال الدین امجدی
گلدستہ مثنوی	مولانا جلال الدین امجدی

Marfat.com

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر	حضرت شاہ ولی اللہ
صحابہؓ کا عشق رسولؐ	صوفی محمد اکرم رضوی
معجزات خاتم المرسلینؐ	قمر یزدانی
فوائد الفواد	حضرت نظام الدینؒ اولیاء
معالی الھمم (ہمتوں کی بلندیاں)	حضرت جنید بغدادیؒ
کشف المحجوب	حضرت ابوالحسن سید علی بن عثمان ہجویری
حضرت ابوبکر صدیقؓ	محمد علی چراغ
حضرت عمر فاروقؓ	محمد علی چراغ
حضرت عثمان غنیؓ	محمد علی چراغ
حضرت علیؓ	محمد علی چراغ
خلفائے راشدین	محمد علی چراغ
داستان انبیاء	مولانا محمد شریف نوری
علم حدیث اور چند اہم محدثین	سالم قدوائی
اولیائے کشمیر	پیرزادہ محمد طیب
تذکرہ حضرت صابر کلیرؒ	تعارف۔ راجا رشید محمود
کلیر کا چاند	ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

Marfat.com

تکمیل الایمان	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
انسان کاملؐ	حاجی محمد منیر قریشی
قرآنی دعائیں	حاجی محمد منیر قریشی
با محمدؐ ہوشیار	حاجی محمد منیر قریشی
اسلام اور سائنس	حاجی محمد منیر قریشی
پیر کامل	حاجی محمد منیر قریشی
ماں باپ کے حقوق	راجا رشید محمود
فصوص الحکم	ابن عربی
محمدؐ رسول اللہ	ار۔وی۔ سی باڈلے محمد علی چراغ
سیرت النبیؐ معلومات کے آئینہ میں	زاہد حسین انجم
قرآن معلومات کے آئینہ میں	زاہد حسین انجم
اصول شرع اسلام	سرڈنشاء فریدوں جی
قانون شرع محمدیؐ	سید امیر علی
اصول الشاشی	اسحاق بن ابراہیم شاشی
لغات القرآن	الحاج عبدالکریم پاریکھ
قرآن و حدیث کی پیشنگوئیاں	مولانا محمد اسماعیل سنبھلی
رہنمائے قرآن	ڈاکٹر میر ولی الدین

Marfat.com

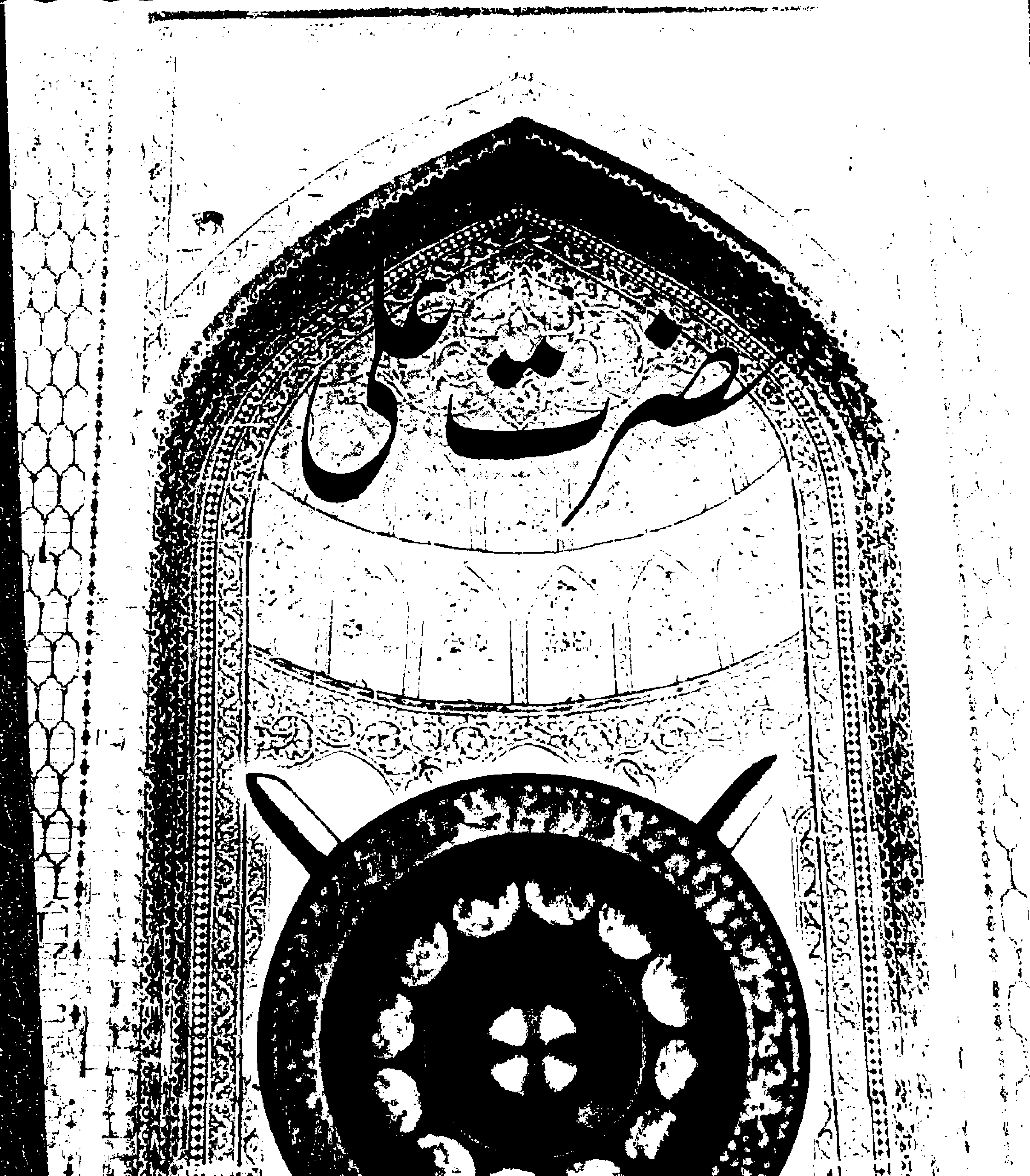

Marfat.com